ہر علاقے ہر خطہ اپنی خوبو کی وجہ سے کوئی نہ کوئی شہرت رکھتا ہے... پہاڑوں میں بسنے والے سختیاں جھیلنے یا خطرے میں پڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے... آزادی کی جدوجہد ہو یا قبائلی دشمنیاں وہ سرکشی سے باز نہیں رہتے... ایک ایسے ہی خطے میں پروان چڑھتی کہانی... ہر کردار اپنے مقصد کے حصول کے لیے بساط سے زیادہ سرگرم تھا... بساط ایک ہی تھی مگر ہر مہرہ اپنے اپنے محاذ پر ڈٹا ہوا تھا... بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں گھومتے پھرتے... شکار کھیلتے سرپھروں کی مہم جوئی...

غالب ومغلوب......حاکم ومحکوم کے درمیان جاری رساکشی کا سنسنی خیز احوال

حشمت زازی نے نگاہ اٹھائی۔ شمالی وزیرستان کا یہ ایک ویران حصہ تھا۔ سامنے دور تک پھیلے نیم سبز پہاڑوں کے درمیان ایک پہاڑی ندی لکیر کی صورت لہراتی، بل کھاتی نظر آرہی تھی۔ گرمیوں میں یقیناً اس کا جوبن عروج پر ہوتا ہوگا۔ سردست پانی اس میں ٹھہرا ہوا نظر آرہا تھا اور سردیوں کا ٹھٹھرا ہوا سورج اس کے عین اوپر چمک رہا تھا۔

حشمت زازی، پینتیس چھتیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ درمیانہ قد، گٹھا ہوا جسم، سرخ و سفید چہرے پر بے

ترتیب داڑھی اور مونچھوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں تراشے ہوئے کافی دن بیت گئے ہیں۔ اس کے جسم پر موٹی جینز، لیدر جیکٹ، لانگ بوٹ اور کندھے سے لٹکی بندوق سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ایک ماڈرن دور کا شکاری ہے۔

حشمت کے ساتھ اس سے ملتے جلتے حلیے کا ایک نوجوان بھی تھا۔ اس نوجوان کے گلے میں جدید ساخت کی ایک دوربین لٹک رہی تھی۔ نوجوان کی جسمانی ساخت، ملائم جلد اور نفیس سے ہاتھوں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ شہری ماحول کا شوقیہ شکاری ہے۔

جیسے ہی نوجوان کی پہلی نظر ندی پر ٹھہری اس کا مدھم چہرہ چمک اٹھا۔ ”لگتا ہے ہم واپس کیمپ تک پہنچ گئے ہیں۔“ نوجوان جس کا نام احمد واسطی تھا، اس کی آواز میں تھکن آمیز طمانیت تھی۔

حشمت نے اثبات میں سر ہلایا اور احمد کے تھکے ہوئے وجود پر نظر ڈال کر پُرخیال انداز میں کہا۔ ”لگتا ہے بدروحوں والی گھاٹی دیکھنے کے چکر میں تم خاصے تھک گئے ہو۔“

”بے شک۔“ احمد نے اعتراف کیا۔ ”تمہارا اندازہ ٹھیک ہے مگر کوئی حسین سی بدروح نظر آجاتی تو اس تھکن کا ازالہ ہو جاتا۔“

حشمت اس کی ہنسی میں شریک ہوا۔ اس دوران اس کی عقابی نگاہیں اطراف کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ نگرانی کی غرض سے ایک اونچی چٹان پر اسے ابھی تک نگراں نظر نہیں آیا تھا۔

احمد، مہم جُو طبیعت کا حامل ایک شوقیہ شکاری اور کراچی سے بنگلہ دیش تک پھیلی بزنس ایمپائر کا مالک تھا۔ اس کا ایک ہم مزاج دوست سویڈن سے اپنی یورپین بیوی، سالی اور سسر کے ساتھ پاکستان آیا تھا۔

درجنوں شکار کی آسان رسائی اور محفوظ جگہوں کو چھوڑ کر ان لوگوں کی سوئی شمالی وزیرستان پر آ ٹکی تھی۔ آپریشن کے ذریعے پاک افواج نے دہشت گردوں کو یہاں سے مار بھگایا تھا مگر پھر بھی یہ علاقہ پوری طرح محفوظ نہیں تھا۔ خاص طور پر خواتین کے ساتھ یہاں شکار کی غرض سے آنا پاگل پن سے کم نہیں تھا۔

جس نے بھی سنا...... اس پاگل پن سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ پاگل پن ہی کیا جو کسی کے سمجھانے سے اُتر جائے۔

احمد نے دوست اور اس کی فیملی کی ضد پر سر جھکایا اور انتظامات میں لگ گیا۔ اس کے حلقۂ احباب میں ہر طرح کے لوگ تھے۔ کچھ خاص لوگوں نے اس کی خاطر سارے انتظامات کر دیے۔

پندرہ ارکان پر مشتمل علاقائی فورس کی ٹیم ایک انسپکٹر کی قیادت میں ان کی حفاظت کے لیے مامور تھی۔ یہ لوگ ویرانوں میں ڈیوٹی کرنے کے سبب بہترین کک بھی تھے اور دیگر انتظامی معاملات بھی انہوں نے خوش اسلوبی سے سنبھال لیے تھے۔

ان خاص لوگوں کی ہی کرامت تھی جو اس شکاری پارٹی کو وزیرستان کا آسیب کہے جانے والے مہم جو شکاری حشمت زازی اور اس کے ایک ساتھی کی خدمات حاصل تھیں اور اس سے بھی بڑھ کر اس حساس علاقے میں سویڈن نیشنلٹی کے حامل افراد کے داخلے کا اجازت نامہ۔

احمد نے ایک ستائشی نظر حشمت پر ڈالی اور بولا۔ ”میرے برعکس تھکاوٹ نے تمہیں چھوا بھی نہیں ہے۔“

حشمت نے جواب صرف ایک مسکراہٹ سے دیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان نظر آرہا تھا مگر وہ اندرونی اضطراب کا شکار تھا۔ نگرانی والی چٹان مسلسل خالی نظر آرہی تھی۔ اس کا پہلا اندازہ تھا کہ نگراں غالباً حوائج ضروریہ کے سبب نگاہوں سے اوجھل ہے مگر ہر گزرتے لمحے اس کا یہ اندازہ غلط ثابت ہو رہا تھا۔

دل ہی دل میں اس نے زمرد خان کو کوسا جس نے رات کھانے کے بعد الاؤ کے گرد بیٹھے، قہوے کی چسکیاں لیتے ہوئے دو گھنٹے کی مسافت پر موجود بدروحوں کی ایک گھاٹی کا ذکر چھیڑ دیا۔ جہاں روحیں اکثر بھٹکتی نظر آجاتی تھیں۔

کچھ ماحول کا اثر، کچھ پہاڑی رات کا فسوں اور کچھ حشمت کے خیال میں اپنے دوست کی بے باک سالی لنڈا کو متاثر کرنے کی غرض سے احمد اسی وقت اس گھاٹی کو دیکھنے اور روحوں سے شرفِ ملاقات کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ لنڈا بھی اس کے ساتھ تھی۔ حشمت نے بمشکل ان دونوں کے ارادے کو صبح تک کے لیے مؤخر کروایا تھا۔

صبح ہوتے ہی متلون مزاج لنڈا کو بدروحوں کے بجائے ایک خانہ بدوش قبیلے کی خواتین کی روزمرہ زندگی میں زیادہ دلچسپی محسوس ہوئی۔ وہ ایک پارٹی کے ساتھ نکل گئی اور احمد بادلِ ناخواستہ اپنی بات کو نبھانے کے لیے ویران گھاٹی کی طرف چل دیا۔ رہبری اور حفاظت کی غرض سے حشمت اس کے ساتھ تھا۔

صبح کے نکلے پانچ گھنٹوں بعد جب آنتیں بھوک سے کلبلا رہی تھیں، وہ دونوں ایک کیمپ کے قریب پہنچے تھے۔ کٹھن اور دشوار راستے کے سبب یہ مہم جوئی انہوں نے پیدل ہی کی تھی۔ کیمپ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا۔ حشمت نے ایسے گھماؤ کے بعد ایک پہاڑی کے دامن میں کیمپ لگوایا تھا جو حفاظتی نقطۂ نظر سے بہت اہم تھا۔ کیمپ دور سے بالکل بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گھماؤ کے بعد اچانک ہی سامنے آجاتا تھا۔

راستے کی شناسائی بڑھتے ہی احمد کے قدموں میں تیزی آگئی۔ حشمت نے آگے بازو پھیلا کر اسے روکا۔

''ٹھہرو!'' حشمت نے ملائم آواز میں کہا۔ گزشتہ پندرہ دنوں میں ان کے درمیان خاصی بے تکلفی پیدا ہو چکی تھی مگر احمد کو خاص مہمان کا درجہ حاصل تھا اور حشمت اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' احمد ٹھٹکا۔

''کچھ نہیں...... ذرا اپنی دوربین دکھانا۔''

احمد نے اس کے چہرے پر کسی انجان خطرے کو ڈھونڈتے ہوئے اپنے گلے میں سے دوربین اتار کر اسے تھما دی۔

یہی وقت تھا جب نگرانی والی چٹان پر بھاری بھرکم توند والا حوالدار موسیٰ خان نمودار ہوا۔ رائفل اس کے کندھے پر لٹک رہی تھی اور ہاتھ ملیشیا لٹھے کی شلوار کو اپنی جگہ ایڈجسٹ کرنے میں مصروف تھے۔ احمد نے بھی حشمت کی نگاہوں کے تعاقب میں موسیٰ خان کو دیکھ لیا تھا۔

''لگتا ہے رات بچ جانے والے تیتر، اسی نے توند میں ٹھونسے ہیں جو ابھی تک اسے بے چین کیے ہوئے ہیں۔''

''ایسا ہی کچھ لگ رہا ہے۔'' حشمت کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ چمکی تھی۔ سارے اندیشے اور واہمے پل بھر میں دور ہو گئے تھے۔ اس نے دوربین واپس احمد کو تھما دی۔

''تم دوربین سے غالباً اسے ہی دیکھنا چاہ رہے تھے۔'' احمد نے خیال آرائی کی۔

حشمت نے اثبات میں سر ہلایا اور قدم آگے بڑھائے۔

احمد بے شک نوجوان تھا مگر اس کم عمری میں بھی اس نے ایک دنیا دیکھ لی تھی۔ وہ پل بھر میں ساری صورتِ حال سمجھ گیا۔

''تمہاری محتاط روی نے مجھے متاثر کیا ہے۔'' احمد کی آواز اس کے جذبات کی ترجمان تھی۔

''میری ذمہ داری بھی تو بہت بڑی ہے اور ویسے بھی محتاط رہنا ہم پہاڑی لوگوں کی سرشت میں شامل ہوتا ہے۔''

احمد نے بغور اسے دیکھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ اس کے سامنے ایک بے حد گہرا شخص ہے۔ اس نے چلتے چلتے ہاتھ بڑھایا جسے حشمت نے مضبوطی سے تھام لیا۔

''کبھی ان ویرانوں سے اکتا جاؤ تو یاد رکھنا کوئی کراچی میں بیٹھا تمہاری راہ دیکھتا ہے۔''

حشمت نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ ''اس محبت کے لیے بہت شکریہ مگر یہ ویرانہ میرے سینے میں بستا ہے۔'' اس نے اطراف پر نگاہ دوڑاتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''میں ان پہاڑوں سے بچھڑ کر شاید مر جاؤں۔''

احمد اس کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ ''پھر بھی کبھی مجھے مہمان نوازی کا موقع ضرور دینا۔'' اس کے لہجے میں محبت بھرا اصرار تھا۔

''اس سے کون کافر انکاری ہے۔'' حشمت نے ایک دفعہ پھر گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ کیمپ سے پہلے اشتہا انگیز خوشبوؤں نے ان کی بھوک کو بھڑکا دیا۔ ان کے قدموں کی رفتار خود بخود بڑھ گئی۔

پہاڑی گھماؤ کے بعد سامنے آنے والا منظر حقیقی معنوں میں جنگل میں منگل کا عکاس تھا۔ مسطح پہاڑی زمین پر آٹھ خیمے نیم دائرے کی صورت میں نصب تھے۔ تین خیمے اپنی جدت کی وجہ سے نمایاں تھے اور ٹاٹ میں مخمل کی طرح نظر آرہے تھے۔

یہ تینوں خیمے احمد، اس کے دوست آصف جاہ، اس کی بیوی ہیلنا، اس کے سسر ہیرس اور سالی لنڈا کے لیے مخصوص تھے۔

حشمت کا نسبتاً چھوٹا خیمہ تھا۔ اس کا ساتھی زرجان شاہ، اپنے آدمیوں کی ٹیم کے ساتھ ہی رہ رہا تھا۔

خیموں کے درمیان.... آگ جلانے کا بندوبست تھا اور اس وقت بھی اس آگ کے گرد درجنوں مچھلیاں سلاخوں میں پروئی رکھی تھیں۔ مچھلیاں تیاری کے آخری مراحل میں تھیں اور اشتہا انگیز خوشبو کا ماخذ بھی یہی تھیں۔

انسپکٹر جلابت خان بذاتِ خود آگ کے قریب موجود تھا اور اس کے دو اہلکار بڑی مشاقی سے سلاخوں کو حرکت دے رہے تھے۔ کبھی کبھار جلابت خان کا ہاتھ بھی حرکت میں آجاتا تھا۔ ایک طرف ایک لگژری جیپ کھڑی تھی جو

مہمانوں کے لیے مختص تھی۔ اس کے پہلو میں پرانے ماڈل کی ایک مہیب قسم کی جیپ بھی تھی جو حشمت زازی کی ملکیت تھی۔

ایک فور وہیل لوڈر، دو جیپیں اور چند خچر جو کچھ فاصلے پر کھڑے تھے مقامی فورس کے زیر استعمال تھے۔

کیمپ میں ان کا سب سے پہلے استقبال کرنے والے زرجان شاہ کے دو شکاری کتے تھے جو جیپوں کے قریب بندھے ہوئے تھے۔

حشمت، کتوں کی اس مخصوص آواز کو پہچانتا تھا۔ یہ آواز شناسائی کا تاثر دیتی تھی۔ جلابت خان نے انہیں دیکھتے ہی مقامی زبان میں ایک اہلکار سے کچھ کہا۔ وہ تیزی سے لوڈر کی طرف لپک گیا۔

انسپکٹر جلابت خان، ان کے قریب آیا۔ ''کچھ زیادہ ہی دیر نہیں کر دی آپ لوگوں نے...... میں پریشان ہو رہا تھا۔'' جلابت خان، لمبے قد، بھاری جسم اور بھوری آنکھوں کے ساتھ ایک دبنگ شخص تھا۔

احمد کی متلاشی نظروں نے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''بس، روحیں ڈھونڈنے میں دیر ہو گئی۔''

جلابت خان فرمائشی ہنسی ہنسا۔

احمد نے پوچھا۔ ''دیگر افراد نظر نہیں آ رہے، کہاں ہیں؟''

''پاس ہی ندی کنارے لنڈا میم صاحب نے ایک جگہ دریافت کی ہے۔ دوپہر کے کھانے کا پروگرام وہاں ہے۔ سب لوگ وہیں ہیں۔''

اس دوران خدمت گار دو جدید فولڈنگ کرسیاں لوڈر سے نکال لایا تھا۔

احمد ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ ''گڈ! ہم بھی وہیں جاتے ہیں لیکن پہلے ان میں سے ایک مچھلی مجھے کھلا دو۔ بھوک سے جان نکل رہی ہے۔''

جلابت خان نے بھونی جانے والی مچھلیوں پر ماہرانہ نظر ڈالی اور قدرے تردد سے کہا۔ ''انہیں تو ابھی کچھ دیر ہے۔ پانی ٹھیک سے خشک نہیں ہوا۔''

''اوہ یار۔''

جلابت خان نے جلدی سے کہا۔ ''کچھ اور کھانے کو حاضر کروں؟ ویسے ندی کنارے میم صاحب نے اچھا خاصا بندوبست کیا ہوا ہے۔ خانہ بدوشوں کے قبیلے سے وہ کھانے، پینے کی اشیا کا خچر بھر کر لائی ہیں۔''

احمد اچھل کر کھڑا ہوا۔ ''پھر تو مجھے جانا چاہیے۔'' اس نے حشمت کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔

''تم چلو، میں آتا ہوں۔''

ایک شخص کی رہنمائی میں احمد وہاں سے چل دیا۔

حشمت، جلابت خان کی طرف متوجہ ہوا اور مقامی زبان میں کہا۔ ''لالے، نگرانی والی چٹان پر کوئی چست بندہ بھیج دو یا پھر ڈیوٹی دو بندوں کی لگا دو۔''

''کیوں؟ کیا ہوا؟'' جلابت خان کو جیسے شاک لگا تھا۔

حشمت نے کچھ دیر پہلے والی پریشانی کی وجہ بتائی تو جلابت خان کو کچھ اطمینان ہوا۔ حشمت نے مزید کہا۔ ''بے شک پندرہ دنوں میں ہم کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے بچے ہوئے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم محفوظ ہیں۔ مجھ سے بہتر تم جانتے ہو کہ تتر بتر ہونے والے دہشت گردوں کے لیے یہ غیر ملکی مہمان کسی نعمت سے کم نہیں اور آوارہ گردوں کے جتھے بھی منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہمیں بالکل غافل نہیں ہونا چاہیے۔''

جلابت خان اس سے سو فیصد متفق نظر آنے لگا۔ اس کی توجہ بھونی جانے والی مچھلیوں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ اپنے آدمیوں کو بلانے لگا۔

حشمت نے اس سمت قدم بڑھا دیے جدھر احمد گیا تھا۔ ایک تنگ سا درہ عبور کرتے ہی ایک دلفریب نظارہ سامنے آ گیا۔ یہ ایک سرسبز چراگاہ تھی جو دور ندی تک پھیلی ہوئی تھی۔ ننھے ننھے جنگلی پھولوں والی جھاڑیاں مزید دلکشی کا باعث تھیں۔ ندی کا پاٹ یہاں دو حصوں میں تقسیم ہو کر دوبارہ آگے جا کر مل گیا تھا جس کی وجہ سے درمیان میں ایک ریتیلا ٹاپو سا بن گیا تھا۔

اس ریتیلی جگہ پر اونی نمدے بچھے تھے جن پر گاؤ تکیے لیے ہوئے تھے جن پر سبھی مہمان براجمان تھے۔ دوپہرے دار کنارے پر موجود تھے۔ دلکش منظر نے حشمت کو بھی متاثر کیا تھا۔ اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔

حشمت کو دیکھ کر سبھی نے خیر مقدمی انداز میں ہاتھ ہلائے۔ حشمت نے ندی کنارے بیٹھتے ہوئے اپنے آدمیوں کو چوکس رہنے کی ہدایت بھی جاری کر دی۔ جس کے بعد کندھوں سے لٹکی رائفلیں ان کے ہاتھوں میں آ گئیں اور نگاہیں لنڈا اور ہیلنا کے قیامت خیز نشیب و فراز سے ہٹ کر ارد گرد کا جائزہ لینے لگیں۔

دونوں بہنوں کی عمر... کا اندازہ چوبیس سے اٹھائیس کے درمیان کا تھا۔ سویڈن جیسے سرد ترین ملک کی باسی

ہونے کے سبب یہاں کی سردی کو وہ کہاں خاطر میں لاتی تھیں۔ جینز اور ٹی شرٹ دونوں کا عام پہناوا تھا۔ البتہ سورج کے ڈھلتے ہی وہ جیکٹیں پہن لیتی تھیں۔ اس وقت بھی دونوں حسبِ معمول اپنے پسندیدہ پہناوے میں تھیں اور اس بات سے قطعی بے پروا تھیں کہ وہ جس جگہ پر تھیں وہاں ایک غیر مرد کا غیر عورت کو بے پردہ دیکھ لینا بھی ناممکن حد تک مشکل تھا۔

دیدارِ زن کو ترسے ہوئے رانجھے چوری چوری دونوں بہنوں کو تاکتے تھے اور ایک دوسرے کو معنی خیز اشارے کرتے تھے اور یہ سلسلہ پہلے دن سے جاری تھا۔

لونگ بوٹ اتار کر اور جینز کے پائنچے اڑس کر حشمت نے شفاف پانی میں قدم رکھا تو سرد پانی نے اس کا مزاج پوچھا۔ پاس ہی ایک پتھر کی اوٹ سے سیاہ رنگ کی مچھلی اچھل کر دوبارہ پانی میں جا گری اور یہ جا وہ جا۔

پانی چھ انچ سے زیادہ گہرا نہیں تھا۔ ٹاپو پر پہنچ کر ایک کپڑے سے پاؤں خشک کر کے حشمت بھی ان لوگوں کے درمیان پہنچ گیا۔

پلیٹوں میں خشک پھلوں کے ساتھ ساتھ موسمی پھلوں کی بہار بھی نمایاں تھی، جن میں مشہورِ زمانہ کابلی انار کے دانے دمک رہے تھے۔

حشمت سے خیر مقدمی جملوں کے بعد لنڈا، ہیلنا اور ہیرس دوبارہ احمد کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حیرت و سنسنی ان کے چہروں پر صاف نظر آ رہی تھی جبکہ آصف جاہ بمشکل اپنی ہنسی روکے ہوئے تھا اور حشمت کا دیرینہ ساتھی زرجان شاہ اپنی گھنی داڑھی اور مونچھوں کے سبب کامیابی سے اپنے تاثرات چھپائے ہوئے تھا۔ زرجان شاہ، پینتالیس سالہ مضبوط کاٹھی کا قبائلی تھا۔ کتوں کے ذریعے شکار اور پانی کے ذخیرے تلاش کرنے میں اسے بے حد مہارت حاصل تھی۔ وہ گزشتہ آٹھ سال سے حشمت کے ساتھ تھا۔ حشمت کی طرح اسے انگریزی زبان پر عبور تو نہیں تھا مگر کام ٹھیک ٹھاک چلا لیتا تھا۔

احمد نے حشمت کو آنکھ سے خفیف سا اشارہ کرتے ہوئے سلسلۂ کلام دوبارہ جوڑا۔ ''میں تو اسے مصیبت میں مبتلا کوئی لڑکی ہی سمجھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر اس کے پیروں پر پڑی۔''

لنڈا ایک دم بول پڑی۔ ''کیا تھا اس کے پیروں کو؟''

احمد بولا۔ ''اس کے پیر پیچھے کی طرف تھے۔ بدروحوں اور چڑیلوں کے پاؤں پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔'' اس نے انار کے دانے حلق سے اتارتے ہوئے مزید کہا۔ ''میں وہاں سے سرپٹ بھاگا حشمت نے بھی اس کے پیر دیکھ لیے تھے۔ یہ مجھ سے بھی آگے تھا۔''

دونوں بہنوں نے تحیر آمیز نگاہیں حشمت پر ڈالیں تو حشمت نے بمشکل اپنے تاثرات چھپائے۔ احمد کہہ رہا تھا۔

''لڑکی کے روپ میں وہ بدروح بھی ہمارے پیچھے بھاگی۔''

ہیلنا نے اس کی بات کاٹی۔ ''مگر وہ بدروح الٹے پیروں کے ساتھ کیسے بھاگ لی؟''

اس معصومانہ مگر ٹیکنیکل سوال نے آصف جاہ کی قوتِ برداشت پر زوردار ضرب لگائی۔ اس کے حلق سے قہقہوں کا جیسے فوارہ پھوٹ پڑا۔ زرجان بھی کھل کر ہنسا اور حشمت کے دانت بھی چمک اٹھے۔

''بدمعاش!'' لنڈا جنگلی بلی کے مانند احمد پر جھپٹی۔ ''ہمیں بے وقوف بنا رہے تھے تم......''

جھٹکے سے انار کے دانے بکھر گئے تھے۔ احمد کو گرا کر لنڈا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھی۔ اس کے ہاتھ احمد کی گردن پر تھے۔

دلکش بوجھ کے سبب احمد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ برائے نام سی مزاحمت کرتے ہوئے اس نے مصنوعی سنجیدگی برقرار رکھنے کی کوشش کی۔ ''میرا یقین کرو، بدروح کسی بھی سمت دوڑ سکتی ہے...... بدروح جو ہوئی۔''

ایک اور زوردار قہقہہ پڑا تو لنڈا نے گردن چھوڑ کر احمد کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔ اس کوشش میں وہ، اس کے اوپر خاصی جھک گئی تھی۔

اس ہوش ربا منظر نے زرجان شاہ کے چہرے پر بھی شوخی دوڑا دی تھی۔ حشمت نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ پہرے دار ہونقوں کے مانند یہ سب دیکھ رہے تھے۔

''میری جان اس جنگلی بلی سے چھڑاؤ...... میری مدد کرو۔'' احمد نے ہیلنا سے مدد مانگتے ہوئے دوہائی دی۔ حقیقتاً وہ اس قربت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ہیلنا بولی۔ ''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ بے وقوف بنانے کی کچھ نہ کچھ تو سزا ہونی چاہیے۔'' وہ صورتِ حال سے محظوظ ہو رہی تھی۔ ہیرس نے بھی ہنستے ہوئے بیٹی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''آصف جاہ دوست کی مدد کو آیا اور سالی کو کھینچ کر اس کے اوپر سے ہٹایا۔

یونہی ہنسی مذاق کے دوران کھانا لگ گیا۔ کھانے میں بھونی ہوئی مچھلیاں تھیں اور خشک خوبانی کو بھیڑوں کے تازہ

دودھ کے ساتھ پکا کر ایک سویٹ ڈش بھی تیار کی گئی تھی۔ تازہ پھل اور دودھ قریب ہی آباد خانہ بدوشوں کے ایک قبیلے سے لنڈا لے کر آئی تھی۔

کھانے سے فارغ ہو کر حسبِ معمول قہوے کا دور چلا۔ اس کے بعد احمد کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے خیمے کی طرف چل دیا۔ سویڈش مہمانوں نے تاش کی بازی لگا لی۔ حشمت، زرجان شاہ کو لے کر بظاہر چہل قدمی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

انہوں نے دو دن پہلے اس جگہ کیمپ لگایا تھا۔ اردگرد کی خوب صورتی اور شکار کی فراوانی کے سبب یہاں قیام طویل ہی نظر آرہا تھا۔ مہمانوں کو یہ جگہ بے حد پسند آئی تھی۔ اس لیے اردگرد کا تفصیلی جائزہ بہت ضروری تھا۔ یہ بات حشمت نے زرجان شاہ کے کانوں میں بھی ڈال دی۔

کیمپ کے گرد دو میل کا دائرہ بنانے کی غرض سے باہم مشاورت سے انہوں نے ایک راستہ منتخب کر لیا۔ دس میل کے دائرے میں ان کا مواصلاتی نیٹ ورک کام کر رہا تھا۔ واکی ٹاکی سیٹ ان دونوں کے پاس تھے۔

قدم سے قدم ملاتے ہوئے حشمت بولا۔ ''پاس جو خانہ بدوش قبیلہ ڈیرا ڈالے ہوئے ہے اسے چیک کیا تم نے؟''

زرجان شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں، ساٹھ نفوس پر مشتمل قبیلہ ہے۔ میں ان کے سردار سے ملا ہوں۔ اس نے اپنی طرف سے کسی بھی قسم کی شرانگیزی نہ ہونے کی گارنٹی دی ہے اور ہمیں مہمان کا درجہ بھی دے دیا ہے۔ اس کے بعد ہی تو میں نے لنڈا کو قبیلے میں جانے کی اجازت دی تھی اور خود بھی ساتھ گیا تھا۔'' اس نے تفصیلی جواب دیا۔

حشمت مطمئن ہو گیا۔ قبائلی جسے مہمان کا درجہ دے دیتے ہیں، اس کے لیے دل اور گھر کا دروازہ کھول دیتے تھے۔

انہوں نے پیدل چلتے ہوئے دو میل کا دائرہ مکمل کیا اور چار پوائنٹ منتخب کیے جہاں نگراں تعینات کرنے کی ضرورت تھی۔ اس سلسلے میں حشمت نے انسپکٹر جلابت خان سے واکی ٹاکی پر بات بھی کی تھی۔

پہاڑوں میں رات بے حد تیزی سے اترتی ہے۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ سورج کسی پہاڑی کے عقب میں نگاہوں سے اوجھل ہوا تو تاریکی نے راج جما لیا۔

زرجان شاہ کو اپنے کتوں کی فکر ہو رہی تھی۔ انہیں راتب وغیرہ دینا تھا اور اس رات خرگوشوں کے شکار کا بھی پروگرام تھا۔ کتوں کا کردار کلیدی تھا۔ وہ اپنے کتوں کی طرف نکل گیا۔ کیمپ میں جنریٹر آن کر دیا گیا تھا۔ آگ کا الاؤ بھی بھڑک رہا تھا۔ خیموں میں سونے سے پہلے کی تمام تر سرگرمیاں اسی الاؤ کے گرد جاری رہتی تھیں اس لیے الاؤ کے گرد غالیچے اور فولڈنگ کرسیاں ڈال دی گئی تھیں۔

احمد سمیت سبھی مہمان غالیچوں پر تھے۔ ہیرس اپنے سیٹلائٹ فون پر کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ حسبِ معمول اس کا چہرہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

لنڈا کسی بات پر ہنس ہنس کر احمد پر گری جا رہی تھی۔ ان کے درمیان بے تکلفی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہیرس نے گفتگو کے دوران سیٹلائٹ فون اپنے داماد آصف کی طرف بڑھایا۔ آصف جاہ فون اٹھائے جیپوں کی طرف بڑھ گیا۔

حشمت والی جیپ کی چھت کینوس کی تھی جسے ہٹایا جا رہا تھا۔ مہمانوں نے اس جیپ میں بیٹھ کر شکار کا نظارہ کرنا تھا اور دل چاہے تو خود بھی شکار کرنا تھا۔

الاؤ کی طرف بڑھتے ہوئے حشمت کو اچانک نگاہوں کی تپش محسوس ہوئی۔ ہیلنا اپنے شوہر کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھائے گرسنہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حشمت نے یہ بات پہلے بھی کئی بار محسوس کی تھی۔ وہ کوئی پارسا تو نہیں تھا مگر ہیلنا کو مہمان سمجھ کر اپنے اندر کے مرد کو دبا لیتا تھا۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ اور شوہر کے ساتھ تھی۔

حشمت نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کن انکھیوں سے ہیرس کا جائزہ لیا۔ وہ اپنی بندوق کی نال کھولے، اس کا رخ روشنی کی طرف کیے نال کے اندر نہ جانے کیا دیکھ رہا تھا۔ حشمت الاؤ کے قریب پہنچا تو آصف جاہ بھی واپس آتا نظر آیا۔ ہیلنا کی نگاہوں کا انداز بدل گیا۔ آصف جاہ کے چہرے پر قدرے برہمی کے تاثرات تھے۔ فون پر ہونے والی گفتگو یقیناً خوشگوار نہیں تھی۔

سورج ڈوبتے ہی سردی کی شدت بڑھ گئی تھی۔ لنڈا اپنے اور ہیلنا کے لیے جیکٹیں نکال لائی تھی۔ چائے کے ایک دور کے ساتھ آصف جاہ کا موڈ بھی بحال ہو گیا تھا۔

مغربی اور مشرقی کھانوں کا ذکر چلا تو حشمت نے ہیرس سے کہا۔ ''تم لوگ غالباً بہت کم مرچ، مسالے والے کھانے، کھانے کے عادی ہو۔ یہاں ہمہ وقت مسالے دار پرندوں یا جانوروں کا گوشت تم لوگ خوب رغبت سے کھا رہے ہو اور میرے لیے یہ حیران کن ہے۔''

ہیرس بولا۔ ''میرے خیال میں تو مسالے کچھ خاص تیز نہیں ہوتے اور پرندوں یا جانوروں کا تازہ گوشت خوش

نصیب لوگ ہی کھاتے ہیں۔"

ہیلنا نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔ "اور مجھے تو یہاں کے کھانے اور کھردرے لوگ بے حد پسند ہیں۔" اس نے لحظہ بھر کے لیے نظر حشمت پر ڈالی اور مزید کہا۔ "دل چاہتا ہے ہمیشہ کے لیے یہیں رک جاؤں۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بانہیں پھیلائیں تو جیکٹ کی کھلی زپ کے اندر سے جسم کا گداز نمایاں ہوگیا۔

سامنے بیٹھے حشمت نے اس نظارے سے نگاہیں چرائیں۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ یہ خوبی جانتا تھا کہ "کھردرے لوگوں" سے کیا مراد ہے۔

لنڈا بولی۔ "تو رہ جاؤ...... آصف کو یہاں سیٹل ہونے میں زیادہ دقت تو پیش آئے گی نہیں...... یہ اس کا آبائی ملک ہے۔"

آصف جاہ نے بھی سالی کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔ ہیلنا طرح دے گئی۔ صاف ظاہر تھا ماحول کے زیر اثر اس نے محض ترنگ میں آکر اس خواہش کا اظہار کیا تھا۔

شکار کی تیاریاں مکمل ہوگئی تھیں۔ حشمت والی جیپ کی چھت ہٹانے کے بعد درمیان والے پائپ پر دو بے حد طاقتور سرچ لائٹس نصب کردی گئی تھیں جن کی آنکھوں میں پڑنے والی اچانک روشنی کسی بھی انسان یا جانور کو چند لمحوں کے لیے اندھا کردیتی تھی اور وہ اپنی چوکڑی بھول جاتا تھا۔

چاند نکلتے ہی شکار کا آغاز ہوگیا۔ زرجان شاہ اپنے کتوں کے ساتھ سب سے آگے تھا اور پیدل تھا۔ اس کے پیچھے مہمانوں کی جیپ تھی۔ ڈرائیور کے برابر میں ہیرس اپنی بندوق سنبھالے بیٹھا تھا۔ عقبی نشست پر باقی ماندہ مہمان تھے۔ آصف جاہ کے پاس بھی بندوق تھی۔

مہمانوں کی جیپ کے برابر میں دوسری جیپ تھی۔ انسپکٹر جلابت خان ڈرائیور کے ہمراہ سیون ایم ایم رائفل سنبھالے بیٹھا تھا۔ حشمت عقبی نشست پر ایک نوجوان مددگار کے ہمراہ بیٹھ گیا۔ جیپیں مدھم رفتار سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

شکار کا آغاز ہوا۔ زرجان نے کتوں کو آزاد کردیا۔ کتے اِدھر اُدھر لپکنے لگے۔ زرجان شاہ حیرت انگیز پھرتی اور تیزی کے ساتھ کتوں کے ساتھ ساتھ تھا۔

کتوں نے اپنی حسِ شامہ کے سبب ایک جھاڑی کو گھیرا تو شکار کی سنسنی کا بھی آغاز ہوگیا۔ ہیرس اور آصف جاہ کی بندوقوں کا رخ جھاڑی کی طرف ہوگیا۔ جیپوں کی ہیڈ لائٹس جھاڑی کو روشن کیے ہوئے تھیں۔ کتے بھونکتے ہوئے جھاڑی کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

کتوں کی یلغار سے گھبرا کر ایک بڑا سا خارپشت نکل کر بھاگا۔ شکر تھا اضطراری کیفیت میں کسی نے اس بے ضرر جانور پر گولی نہیں چلائی تھی۔

کتے برق کے مانند خارپشت پر جھپٹے مگر زرجان شاہ کی ایک آواز پر ہی واپس پلٹ آئے۔ اگلے ایک گھنٹے میں ایک بڑا سا خاکستری رنگ کا پہاڑی خرگوش ہیرس کی بندوق سے نکلنے والے چھروں کی زد میں آیا جسے زرجان شاہ نے ذبح کر کے ایک تھیلے میں ڈال کر مہمانوں والی جیپ کے عقبی حصے میں رکھ دیا تھا۔

حشمت کی ہدایت پر شکاری پارٹی ندی کے ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا دہرا فائدہ تھا۔ راستہ بھٹکنے کے امکانات کم تھے اور راستہ قدرے بہتر تھا۔

ایک جگہ راستہ تنگ ہوا تو دونوں جیپیں آگے، پیچھے چلنے لگیں۔ ایک موڑ کاٹتے ہی اچانک ایک صدری پوش مقامی حشمت والی جیپ کی ہیڈ لائٹس کی زد میں آگیا۔ اس نے قلانچ بھری، جیپ کی ہیڈ لائٹس کا زاویہ بھی تبدیل ہو گیا۔

حشمت کے وجود میں بجلی سی دوڑ گئی۔ اس کی چھٹی حس نے فوراً کسی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اس کے ذہن سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

"شکار جاری رہے۔" ساتھ ہی اس نے چلتی جیپ سے چھلانگ لگا دی۔ اس کے ساتھی نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

نیم تاریکی میں ایک بڑا سا پتھر پھلانگتے ہوئے حشمت کا رخ اس طرف ہی تھا جدھر مقامی شخص نے چھلانگ لگائی تھی۔

حشمت کو وہ شخص ہیولے کے مانند نظر آگیا جو دشوار ترین راستے پر سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ حشمت بھی کٹے پھٹے پہاڑی راستے پر ممکنہ تیز رفتاری کے ساتھ اس کے پیچھے تھا۔ عقب میں اسے اپنے ساتھی کی موجودگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

حشمت نے چیخ کر ساتھی کو بھاگنے والے شخص پر فائر کرنے سے منع کیا۔ اسے خدشہ تھا کہ مسلح ساتھی کہیں اس پر فائر ہی نہ جھونک دے۔ حشمت کو شک تھا کہ وہ آدمی ان لوگوں کی سن گن لیتا پھر رہا تھا اس لیے اس کا زندہ ہاتھ آنا بے حد ضروری تھا۔

تمام تر احتیاط کے باوجود حشمت کو ایک پتھر سے ٹھوکر

لگی۔ ایک لمحے کے لیے زمین و آسمان نے اپنی جگہ بدلی۔ اگلے پل وہ پشت کے بل پتھروں پر گرا۔ دبلا پتلا ساتھی بگولے کے مانند اس کے پاس سے گزر گیا تھا۔

تکلیف کے احساس سے زیادہ قبائلی کے ہاتھ سے نکلنے کا خدشہ تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ نظر آنے والا منظر بڑا طمانیت خیز تھا۔ پاس ہی ندی کا کنارہ تھا۔ مقامی اور ساتھی ندی کنارے گتھم گتھا تھے۔ حشمت کے ساتھی نے حیرت انگیز مہارت کے ساتھ مقامی کے گھٹنے کے پیچھے پاؤں کی ضرب لگا کر اسے گرایا اور برق رفتاری سے اس کا ایک بازو گھما کر اس کی کمر پر سوار ہو گیا۔ حشمت جب وہاں تک پہنچا تو قبائلی بے دست و پا ہو چکا تھا اور غیظ و غضب کے عالم میں مغلظات بکتے ہوئے مقابل کو اپنے اوپر سے جھٹکنے کی کوشش میں تھا۔ مقابل نے اپنی مہارت کا مزید ثبوت دیا۔ گرفت میں آیا بازو مقامی کے سر کی طرف کرتے ہوئے یک دم اچھل کر دوبارہ کمر پر گرا تو اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر دوہائیاں دینے لگا کہ اس نے کیا بگاڑا ہے جو اس کے ساتھ یہ سلوک ہو رہا ہے۔

حشمت نے قریب جا کر اپنے ساتھی کی پیٹھ ٹھونکی۔

”تم نے شاندار کام کیا ہے۔“

”شکریہ صاحب!“ اس نے خوش ہو کر کہا۔ ”یہ تو میں نے اپنی ذمے داری نبھائی ہے۔“

دونوں نے مل کر مقامی کے ہاتھ پشت پر حشمت کی چرمی بیلٹ کی مدد سے باندھ لیے۔ تلاشی پر اس کی مختلف جیبوں سے افغانی اور امریکن کرنسی برآمد ہوئی جو زیادہ تو نہیں تھی مگر چونکانے کا باعث تھی۔ اس کے علاوہ ایک خنجر اور دیسی ساختہ پسٹل بھی برآمد ہوا۔ شکر تھا اسے یہ دونوں ہتھیار آزمانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

حشمت نے اپنے ساتھی کی بیلٹ میں اڑسا واکی ٹاکی اسپارک کرتے دیکھا تو خیال آیا کہ ”بپ بپ“ کی مخصوص آواز اس کی جیب سے بھی آرہی ہے۔

اس نے واکی ٹاکی نکالا تو اندازے کے عین مطابق دوسری طرف جلابت خان ہی تھا۔ ”چارلی! کیا چل رہا ہے تمہاری طرف اوور؟“ اس کی آواز سے پریشانی صاف نمایاں تھی۔

”سب کچھ ٹھیک چل رہا ہے۔ تم شکار جاری رکھو۔ کیمپ میں ملاقات ہو گی...... اوور......“

دوسری طرف سے جلابت خان نے کچھ کہنا چاہا مگر موقع کی نزاکت کو بھانپ کر ارادہ بدل لیا۔ ایک ہی فریکوئنسی کے سبب کوئی بھی ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن سکتا تھا اور وہ مہمانوں کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس نے ”اوور اینڈ آل“ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

حشمت اپنے قیدی کی طرف متوجہ ہوا جسے گھٹنوں کے بل بٹھا دیا گیا تھا اور اس کے عقب میں اس کا رائفل بردار ساتھی چوکس کھڑا تھا۔

حشمت پہلے اپنے ساتھی سے مخاطب ہوا۔ ”شیر جوان، تمہارا نام کیا ہے؟“

”نزاکت علی...... صاحب۔“ شیر جوان کے لقب پر اس کی آنکھیں مسکرا اٹھی تھیں۔ حشمت نے بغور نزاکت علی کا جائزہ لیا۔ وہ کہیں سے بھی خاص نظر نہیں آتا تھا مگر اس کا وجدان کہہ رہا تھا کہ وہ ہرگز عام آدمی نہیں ہے۔

حشمت نے نگاہیں قیدی کی طرف گھمائیں جو اسے بڑی کینہ توز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ حشمت نے مقامی زبان میں سیدھا وار کیا۔ ”کون ہو؟ اور ہمارے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے؟“

”مجھے چھوڑ دو تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے...... تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔“ مقامی کا غیظ و غضب دوبارہ سے ابھرنے لگا تھا۔

حشمت نے لہجے کی ملائمت برقرار رکھی۔ ”یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں تم کون ہو؟ باقی ہمارے حق میں کیا بہتر ہے اس کی فکر چھوڑ دو۔“

مقامی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑھ دیں اور سرسراتے انداز میں کہا۔ ”سرخ بھیڑیئے کا نام سنا ہے کبھی؟“ سنسنی نے حشمت کے وجود کو ہلا دیا۔ اس نے دیکھا تھا کہ نزاکت نے بھی پہلو بدلا تھا۔

اس علاقے میں سرخ بھیڑیے کے نام و کام سے کون واقف نہیں تھا۔ سرخ بھیڑیا۔ ایک ڈاکو تھا جو اشتہاریوں کے ایک غول کا سردار تھا۔ اس کی خطرناکی اور خونخواری سے ایک زمانہ ڈرتا تھا۔ حشمت نے خود پر قابو رکھتے ہوئے عام سے انداز میں کہا۔ ”ہاں، درگئی، لئی میں سنا تو ہے کہ اس نام کا کوئی ڈاکو ہے جو راہ چلتے قافلوں کو لوٹ لیتا ہے۔“

اس شخص کا اعتماد سوا ہو گیا۔ اس نے باقاعدہ قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”وہ کوئی معمولی ڈاکو نہیں ہے، تمہارے جیسوں کا تو اس کا چہرہ دیکھ کر موت نکل......“ اس کا فقرہ درمیان میں رہ گیا تھا۔ گدی پر پڑنے والے رائفل کے بٹ کے سبب وہ، حشمت کے قدموں میں سجدہ ریز ہو گیا تھا۔

نزاکت نے گالیاں دیتے ہوئے اسے ٹھوکر ماری تو

حشمت نے منع کیا اور اپنے قیدی کو دوبارہ سیدھا کیا۔ اس کے ہونٹ خون آلود تھے اور چہرے پر رگڑ کے اور نشان بھی نظر آرہے تھے۔ گٹر کا ڈھکن بھی دوبارہ کھل گیا۔

حشمت نے اسی کا خنجر اس کی گردن پر رکھا۔ ''بھونکنا چھوڑو ورنہ گلا کاٹ دوں گا۔'' اس کی آواز میں جو کچھ تھا اس کے باعث قیدی کی زبان کو بریک لگ گیا۔

حشمت نے خنجر ہٹاتے ہوئے کہا۔ ''ایک ڈاکو کی قصیدے خوانی چھوڑو اور بتاؤ ہمارے پیچھے کیوں لگے ہوئے تھے؟''

اس نے گہرا سانس لیا۔ ''تم لوگ سرخ بھیڑیے کے علاقے میں ہو اور وہ، تمہاری موجودگی سے آگاہ ہو چکا ہے۔'' اس کا انداز دھا کا خیز تھا۔

حشمت کا ہاتھ حرکت میں آیا اور طمانچہ کھا کر قیدی ایک چیخ کے ساتھ پہلو کے بل گر گیا۔ ''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

قیدی گال سہلاتا ہوا چلایا۔ ''بے وقوف کا بچہ! میرا سردار سرخ بھیڑیا ہے اور میں، تم لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ تم جو ننگی ننگی عورتوں کے ساتھ یہاں پھر رہا ہے کسی بھی وقت سرخ بھیڑیا آ کر تمہیں چیر پھاڑ دے گا اور ان عورتوں کو اٹھا کر لے جائے گا۔''

نزاکت علی نے پہلی دفعہ دخل اندازی کی۔ ''صاحب! مجھے تو لگتا ہے یہ ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہماری ریکی کرنے کا اس کا مقصد کچھ اور ہے۔ آپ اجازت دیں، میں زبان کھلواتا ہوں اس کی۔''

حشمت کو اس کی بات دل کو لگی۔ وہ، سرخ بھیڑیے سے بخوبی واقف تھا۔ ایک دفعہ اس سے مل بھی چکا تھا۔ اس کا علاقہ سرحد کے قرب و جوار میں تھا جو یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔

سرخ بھیڑیے کا اصل نام موسیٰ جان تھا۔ سرخ تمتماتے چہرے اور لمبے بالوں کے سبب اسے سرخ بھیڑیا کہا جاتا تھا۔ وہ نایاب پرندوں کی غیر قانونی خرید و فروخت بھی کرتا تھا اور حشمت کی اسی سلسلے میں اس سے ایک قبائلی ملک کے ڈیرے پر ملاقات ہوئی تھی۔

حشمت نے نزاکت کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہی لگتا ہے۔ اسے کیمپ لے چلتے ہیں۔ اطمینان سے زبان کھلوائیں گے۔''

نزاکت نے قیدی کو پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کی بندشوں کا جائزہ لیا۔ قیدی نے دوبارہ دھمکی آمیز انداز میں کہا۔ ''تم لوگ اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے۔ خیریت چاہتا ہے تو فوراً اپنا سامان سمیٹو اور جتنی جلدی ہوسکتا ہے، اس علاقے سے نکل جاؤ۔''

نزاکت نے اسے دھکیلتے ہوئے پچکارا۔ ''چل میرا بچہ! ابھی تو اپنی خیر منا۔''

وہ ندی کنارے کیمپ کی طرف چل دیے۔ حشمت نے جلابت خان سے بات کی اور اسے کیمپ کی طرف روانگی کی اطلاع دی۔

شکار کے جوش میں ابھی تک کسی مہمان نے حشمت کی غیر موجودگی کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ ممکن ہے وہ لوگ ابھی تک اسے دوسری جیپ میں اپنے ہمراہ ہی سمجھ رہے ہوں۔

کیمپ میں پہنچ کر انہوں نے قیدی کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ حشمت نے خصوصی ہدایت کی تھی کہ اسے مہمانوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھا جائے۔

حشمت، نزاکت کے حوالے سے خاصا متجسس ہو چکا تھا۔ اس نے نزاکت کو ٹٹولنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے نزاکت سے پوچھا۔ ''قریب جو خانہ بدوش قبیلہ آباد ہے، تم ان کی لوکیشن سے واقف ہو؟''

''ہاں۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''پہاڑی کے دوسری طرف ہی ہے۔ لنڈا میم صاحب کے ساتھ جانے والی پارٹی میں، میں بھی شامل تھا۔''

حشمت نے قدم بڑھائے۔ ''ہم وہاں جارہے ہیں۔''

نزاکت بوکھلا کر اس کے ہم قدم ہوا۔ ''اس وقت...... پورا قبیلہ گہری نیند میں ہوگا اور ہمارا استقبال صرف ان کے جسیم کتے کریں گے۔''

حشمت نے معنی خیز انداز میں کہا۔ ''لگتا تو نہیں کہ تم کتوں سے ڈرتے ہو؟''

''آپ ساتھ ہو تو کتوں سے کیا ڈرنا صاحب!''

حشمت نے مسکراتے ہوئے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی اور خیمے لگانے والی ایک بانس جیسی مضبوط اسٹک اٹھالی۔ بندوق اس نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ نزاکت البتہ رائفل سے مسلح تھا۔

حشمت نے اسٹک کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''کیا خیال ہے، کتوں کے خلاف کیسا ہتھیار ہے؟''

''زبردست صاحب۔'' نزاکت نے اسٹک پر تعریفی نظر ڈالی۔

چکر کاٹ کے وہ دونوں پہاڑی کی بلندی کی طرف چل

دیے۔ کچھ دور آنے کے بعد حشمت نے بات چھیڑی۔

''میں ایک کھرا قبائلی ہوں، کھری بات کرنا اور سننا مجھے پسند ہے۔''

اس کے بدلے ہوئے انداز نے نزاکت کو چونکا دیا۔

''صاحب! میں سمجھا نہیں، کیا کہنا چاہ رہے ہیں آپ؟''

حشمت نے گہرا سانس لے کر اس کے چہرے پر نگاہ جمائی۔ ''تم وہ نہیں ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو۔ اگر مناسب سمجھو تو مجھ پر کھل جاؤ۔ اگر اس پاک سرزمین کے دشمن نہیں ہو تو مجھے ایک مہربان دوست پاؤ گے۔'' آخری فقرہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ وطن کی محبت سے سرشار تھا۔

نزاکت کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یکلخت ہی اس کی شخصیت بدلی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔ اس نے بانہیں پھیلائیں تو حشمت کے چہرے پر بھی محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ ایک جادوئی رشتے کے تحت وہ دونوں بغل گیر ہو گئے۔

نزاکت نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''میں ''مارخور'' ہوں..... کیپٹن اسد خان۔''

حشمت نے اسے بانہوں میں بھینچ لیا۔ ''اوئے شیر جواں! مجھے بھی سانپ خوب مرغوب ہیں۔''

کیپٹن اسد نے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔ کسی بھی ایمرجنسی میں، مجھے خود کو آپ پر آشکار ہونے کی اجازت تھی مگر اس سے پہلے آپ نے مجھے پہچان لیا۔'' آخری فقرہ کہتے ہوئے وہ ہنسا۔

ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ خانہ بدوش قبیلے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

حشمت جذبات کے بھنور سے نکلا۔ ''کیا مشن سونپا گیا ہے تمہیں؟''

اسد کے چہرے پر سنجیدگی نے جگہ بنائی۔ ''آپ کے مہمانوں کی نگرانی۔''

حشمت چونکا۔ ''کوئی خاص وجہ؟''

''وجہ نہیں، وجوہات ہیں۔ لنڈا فری لانسر صحافی ہے۔ اس کی بہن بھی اسی شعبے سے وابستہ رہی ہے۔ آصف جاہ کے ایک بین الاقوامی چینل میں پچیس فیصد شیئر ہیں اور ہیرس جس سفارت خانے کا ملازم ہے، وہ ہمارے ازلی دشمن کا ہے۔''

حشمت کے چہرے پر حیرت چمکی۔ ''یہ اتنے ہائی پروفائل لوگ تھے تو انہیں اس حساس علاقے میں آنے کی اجازت ہی کیوں دی گئی؟''

اسد نے جواب دیا۔ ''معلومات کے حصول میں تاخیر۔'' اس نے مزید تفصیل بتائی۔ ''سویڈن تو کیا اسکنڈے نیویا کے کسی بھی ملک میں ہمارا نیٹ ورک نہیں ہے۔ ایک دوست ملک کی ایجنسی سے مدد لی گئی۔ معلومات کے حصول تک یہ لوگ یہاں پہنچ چکے تھے۔ مجھے بالکل آخری وقت پر شامل کیا گیا تھا۔''

حشمت نے چند لمحے خاموش رہ کر صورتِ حال کا تجزیہ کیا اور پھر بولا۔ ''جو ہوا سو ہوا۔ تمہاری اب تک کی رپورٹ کیا ہے؟''

''فی الحال تو مہمان پوری طرح سے ''مہمان'' ہی ثابت ہوئے ہیں۔ ان پر جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔ انہیں پوری طرح سے نبھایا ہے ان لوگوں نے۔ کہیں کیمرا استعمال نہیں ہوا۔ سیٹلائٹ فون بھی لوگ ہمارا بگ کیا ہوا ہی استعمال کر رہے ہیں۔ میں ان کے سامان کو کئی دفعہ چیک کر چکا ہوں۔ کوئی بھی ایسی چیز ان کے پاس نہیں ہے جس سے شبہ ہو کہ یہ لوگ جاسوسی کی غرض یا پھر کسی سبوتاژ مشن پر ہیں۔''

حشمت کو اطمینان محسوس ہوا، وہ بولا۔ ''قوی امید تو پھر یہی ہے کہ لوگ واقعی تفریحی دورے پر آئے ہیں۔''

اسد نے کندھے اچکائے۔ ''لگ تو یہی رہا ہے۔''

اس دوران وہ دونوں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔ یہاں ہوا میں غضب کی کاٹ تھی۔ اپنی اونی ٹوپیاں انہوں نے کانوں تک کھینچ لی تھیں۔

پہاڑی گھماؤ کے سبب اس بلندی سے بھی ان کا کیمپ نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ کیمپ کی طرف واپس آتی جیپیں اپنی اچھلتی کودتی ہیڈ لائٹس کے سبب نظر آ رہی تھیں۔ شکار کا اختتام ہو چکا تھا۔

پہاڑی کے دوسری طرف، دور گہرائی میں ٹمٹماتی اِکا دُکا روشنیاں نظر آ رہی تھیں جو یقیناً خانہ بدوش قبیلے کے پڑاؤ میں جل رہی تھیں اور ہوا کے دوش پر سوار رکھوالی کے جسیم کتوں کی بھاری آواز بھی کبھی کبھی سماعت سے آ ٹکراتی تھی۔ یہ آواز زرجان شاہ کے شکاری کتوں سے بالکل مختلف تھی۔

ان کا بلندی سے پستی کا سفر دوبارہ شروع ہوا تو اسد نے ٹوٹا ہوا سلسلہ دوبارہ جوڑا۔ ''صرف ایک بات ہے جو مجھے کھٹکتی ہے اور کسی گڑبڑ کا اشارہ دیتی ہے۔''

حشمت نے بے ساختہ پوچھا۔ ''کیا......؟''

''پچھلے پندرہ دنوں میں ہم لوگوں نے چار جگہ پڑاؤ ڈالا ہے۔ چاروں دفعہ ہی ہمارے پڑاؤ کے گرد کوئی نہ کوئی

خانہ بدوش قبیلہ پہلے سے ڈیرا ڈالے ملا ہے۔'' اسد کی پیشانی پر الجھن کی شکنیں نمایاں ہو گئی تھیں۔ ''یہ اتفاق میرے حلق سے اُتر نہیں رہا۔ اس الجھن کے سوا باقی سب اچھا ہے۔''

حشمت کے دل کو بھی یہ بات لگی۔ ذہن ایک مخصوص ڈگر پر دوڑا تو کچھ اور کڑیاں بھی ملتی چلی گئیں۔ ''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' حشمت کی آواز میں جوش در آیا۔ ''اور ہر دفعہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ مہمانوں بالخصوص لنڈا کی فرمائش پر ہوا ہے۔''

اب چونکنے کی باری کیپٹن اسد کی تھی۔ ''پھر تو واقعی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔'' اس نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔ ''اور لنڈا ہر دفعہ ہی اس قبیلے میں جا دھمکتی ہے۔ بعد میں ہیلنا بھی اس کے ہمراہ ہو لیتی ہے۔ بظاہر مقصد خانہ بدوش قبائلی خواتین کی روزمرہ زندگی کو قریب سے دیکھنا ہوتا ہے۔ یہ وہاں جا کر بڑی آزادی سے خیموں میں جھانکتی پھرتی ہیں اور ساتھ جانے والی مردانہ ٹیم سردار کے خیمے میں قہوہ پیتی رہتی ہے۔''

دونوں کے درمیان خاموشی در آئی۔ اندازے اور قیاس کے گھوڑے مختلف سمتوں میں دوڑنے لگے مگر کوئی سرا ہاتھ نہ آیا تو حشمت نے ایک اور سمت کی طرف خیال آرائی کی۔

''یہ بھی تو ممکن ہے ان بہنوں کے پاس جدید ترین قسم کے خفیہ کیمرے ہوں جو تمہاری پکڑ میں نہ آئے ہوں۔ آخر ٹیکنالوجی میں تو یہ لوگ ہم سے بہت آگے ہیں۔ ہماری قبائلی خواتین کی زندگی کے شب و روز مغربی اقوام کے لیے سربستہ راز جیسے ہیں۔ یہ راز افشا کرنے والے صحافی کے کیریئر کو پر لگا سکتے ہیں۔''

اسد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میرے پاس جاپانیوں کی بنائی ہوئی ایک جدید ڈیوائس ہے، جو کسی بھی خفیہ کیمرے کا پتا لگا سکتی ہے۔''

اچانک کچھ یاد آنے پر اسد نے کہا۔ ''لنڈا کی شوخیوں میں الجھے الجھے میں یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ اس وقت خانہ بدوش قبیلے میں جانے کا آپ کا کیا مقصد ہے؟''

حشمت نے کہا۔ ''تمہارے قیدی کے بیان کو میں پرکھنا چاہتا ہوں۔ خانہ بدوش اپنے قرب و جوار کی خوب خبر رکھتے ہیں۔ اگر واقعی قریب کسی ڈاکو کی کمین گاہ ہے تو وہ لوگ ضرور اس سے آگاہ ہوں گے۔''

اسد کے چہرے پر تحسین کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ ''بہت اچھا خیال ہے۔''

حشمت نے مزید کہا۔ ''مگر ابھی ابھی ایک اور خیال بھی وارد ہوا ہے۔''

اسد نے سوالیہ نظروں سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

چند لمحوں کے وقفے کے بعد حشمت بولا۔ ''لگے ہاتھوں سردار سے یہ بھی پوچھ لیں گے کہ لنڈا کی قبیلے میں کیا مصروفیت رہی ہے۔''

اسد کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ''میں یہ کوشش پچھلے دو پڑاؤ پر کر کے دیکھ چکا ہوں۔ قومی خزانے سے دو سرداروں کو نذرانہ بھی پیش کر چکا ہوں۔'' اس نے مایوسی سے سر جھٹکا۔ ''نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔''

حشمت دھیرے سے ہنسا۔ ''پھر تو ان لوگوں کو معاف کر دینا ہی بہتر ہے۔''

کیپٹن اسد نے گہرا سانس لیا اور قدرے افسردہ انداز میں کہا۔ ''سانپوں کے بلوں کے باہر بیٹھنا بھی تو ضروری ہے۔ ہمارے دشمنوں کی تگڈم مل کر ہمارے خلاف برسرِ پیکار ہے۔ ہمیں ''ہائی برڈ'' جنگ کا سامنا ہے۔ دشمن نے دیکھ لیا ہے کہ وہ لڑ کر تو ہم سے جیت نہیں سکتا۔ قوتِ ایمانی کے بعد ہماری سب سے بڑی طاقت عام لوگوں کی محبت ہے۔ ہماری جڑیں عوام میں ہیں۔ دشمن اب ان جڑوں پر حملہ آور ہے۔ ہمارے کچھ نادان لوگوں کو خرید کر، جھوٹی ہمدردیاں جتا کر، ذہنوں کو مسموم کر کے، جعلی ویڈیوز اور پروپیگنڈے کے ذریعے وہ لوگوں کے دلوں سے ملک کے محافظوں سے محبت ختم کر کے اس کی جگہ نفرت بھرنا چاہتا ہے۔'' جذبات کے سبب اس کی آواز بھرّا سی گئی تھی۔

حشمت نے اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر بڑی محبت سے ساتھ لگایا۔ ''دشمنوں کی عیاریاں سر آنکھوں پر مگر تمہارے جیسے مارخور انہیں کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔''

اسد نے بے حد جذب سے کہا۔ ''انشاءاللہ۔''

جذبات کا ریلا گزر گیا تو حشمت نے کہا۔ ''اس علاقے میں بغیر اجازت گھسنے والے غیر ملکی صحافی اکثر اوقات پکڑے جا رہے ہیں۔ کیا یہ سب ہمارے دشمنوں کے ایجنڈے کے آلۂ کار ہیں؟''

اسد کو اس بارے میں اچھی خاصی باخبری تھی۔ اس نے جواب دیا۔ ''زیادہ تر...... یہ مہم جو قسم کے فری لانسر صحافی پڑوسی ملک سے دراندازی کرتے ہیں۔ ہماری

معاوضے ایڈوانس ان کی جیبوں میں ہوتے ہیں۔ حقیقی ماحول میں جعلی پروپیگنڈا، ویڈیوز اور جعلی مقامی افراد کے حقیقی ماحول میں لیے گئے جھوٹے انٹرویوز کامیابی سے واپسی کی صورت میں انہیں مالا مال کر سکتے ہیں۔'' لحاتی وقفے کے بعد اس نے دوبارہ کہا۔

''قلیل تعداد میں غیر جانب دار صحافی باقاعدہ اجازت لے کر اس علاقے میں آتے ہیں اور دنیا کو حقیقت دکھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر چونکہ بین الاقوامی میڈیا ہمارے دشمنوں کے گھر کی باندی ہے، اس لیے ان کی آواز یا تو دبا دی جاتی ہے یا پھر نقار خانے میں طوطی کی آواز ثابت ہوتی ہے۔''

حالات کی گمبھیرتا کے سبب ان کے درمیان خاموشی در آئی۔ کچھ دیر بعد اسد نے کہا۔ ''لگتا ہے میں نے آپ کو مایوس کر دیا ہے۔''

حشمت بولا۔ ''مایوس تو نہیں مگر پریشان ضرور کر دیا ہے۔''

اسد حوصلہ افزا انداز میں مسکرایا۔ ''پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس محاذ پر بھی ہم انشاءاللہ دشمن کو شکستِ فاش دیں گے۔''

''آپ جیسے محبِ وطن لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ ہم چن چن کر ان سانپوں کا صفایا کر رہے ہیں۔ افغانستان میں بھی مارخور اپنے کام میں جُتے ہیں۔ دراندازی کے راستے بند کرنے کا عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ اندرونی صفائی بھی جاری ہے۔ جلد ہی ہم حالات پر مکمل طور پر گرفت کر لیں گے۔ بس، ایک، دو ہائی پروفائل نام نہاد صحافی ہیں وہ ہاتھ نہیں آ رہے۔ وہ ہاتھ آ جائیں تو اچھا خاصا سکون ہو جائے گا۔''

اسد کی حوصلہ افزا باتوں سے دوبارہ اُمید کی کرن جگمگا اٹھی۔ حشمت نے نئے حوصلے سے کہا۔ ''ان زرد صحافیوں کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ شاید میں کسی کام آ جاؤں۔''

اسد بولا۔ ''سب سے اہم نام امیلڈا ماریو کا... ہے ارجنٹائن سے تعلق رکھنے والی یہ بیالیس سالہ نام نہاد صحافی آپریشن سے پہلے افغانستان کے راستے ہمارے ملک میں داخل ہوئی تھی۔ مصدقہ انٹیلی جنس اطلاعات ہیں کہ شرپسندوں کے ایک گروپ کی مدد سے حقیقی ماحول اور پس منظر کے ساتھ مقامی لوگوں کو خرید کر ملک اور اداروں کے خلاف بہت سا جعلی مواد تخلیق کیا تھا۔ اس دوران آپریشن [illegible]

وہ کہاں ہے؟ زمین نگل گئی، آسمان نے اچک لیا یا کسی حادثے کا شکار ہو گئی۔ اس کی تلاش آج بھی بارڈر کے دونوں طرف جاری ہے۔ اس کا تخلیق کردہ زہریلا مواد ابھی تک کہیں سے نشر نہیں ہوا ورنہ ہمارے دشمن دنیا بھر میں ہمارے خلاف ایک طوفان برپا کیے ہوتے۔ میری دعا ہے کہ وہ اپنے لعنتی مواد کے ساتھ کسی گہرے گڑھے میں دفن ہو گئی ہو۔''

حشمت کو یاد آیا کہ اس نے بھی امیلڈا نامی اس عورت کا ذکر سنا تھا۔ سینہ بہ سینہ چلنے والی خبروں کے مطابق اس کی خبر دینے والے کو بھاری انعام کی بھی کئی پیشکشیں تھیں۔

حشمت نے اس کی ایک بے رنگ سی تصویر بھی دیکھی تھی۔ حیرت انگیز طور پر اس کے نقوش میں مقامی عورتوں کی واضح مماثلت تھی۔ اگر وہ چھپی ہوئی تھی تو یقیناً بڑا دخل انہی مقامی نقوش کا تھا۔ حشمت کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ایک پرچھائیں برق کی طرح اسد کی طرف جھپٹی۔ یہ ایک تربیت یافتہ بوہلی کتا تھا جس نے اپنی فطرت کے برعکس گھات لگا کر حملہ کیا تھا۔

باتوں باتوں میں پتا ہی نہیں چلا تھا اور وہ خانہ بدوشوں کے پڑاؤ کے خاصے قریب پہنچ گئے تھے۔ خاکستری رنگ کا کتا اپنے پورے وزن کے ساتھ اسد کے سینے سے ٹکرایا تھا۔ اس اچانک حملے سے اسد سنبھل نہیں پایا اور پشت کے بل گر گیا تھا۔

کتے کے حلق سے پہلی دفعہ خوفناک غراہٹ بلند ہوئی اور اس نے اپنے مہیب جبڑے سے اسد کے نرخرے پر حملہ کیا۔ اسد اس وقت تک سنبھل گیا تھا۔ اس نے موٹے اونی اوورکوٹ والے دونوں بازو ملا کر اس خطرناک حملے کو بلاک کیا۔ یہ کوٹ اس نے خانہ بدوش قبیلے کی طرف آتے ہوئے پہنا تھا۔ کتے نے خوفناک آواز میں بھونکتے ہوئے اس کے بازوؤں پر دانت جمانے کی کوشش کی۔

حشمت بھی ابتدائی شاک سے نکل آیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی اسٹک گھما کر کتے کے سر پر ماری۔ نشانہ درست پڑا۔ کتا چیختا ہوا دور جا گرا۔

اسد برق کے مانند تڑپ کر کھڑا ہوا۔ کندھے سے جھولتی رائفل جو کتے کے حملے کے دوران گر گئی تھی پل بھر میں اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ فضا میں رائفل کاک ہونے کی آواز ابھری تو حشمت نے چیخ کر اسے گولی چلانے سے منع کیا۔

کتا زوردار ضرب کھا کر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا مگر

اب حملہ آور ہونے کے بجائے ان کے گرد چکراتے ہوئے مسلسل بھونک رہا تھا۔

اس کی آواز سے تو سوئے ہوئے مردے جاگ جاتے۔ اس دوران دو اور کتے بھی وہاں پہنچ گئے تھے اور حشمت کے ہاتھوں ایک ایک ضرب کھانے کے بعد محفوظ فاصلے پر انہیں گھیرے بھونکے جا رہے تھے۔

کیپٹن اسد نے بھی اپنی رائفل کو نال سے پکڑ لیا تھا۔ رائفل کا فولادی بٹ کسی بھی کتے کو ابدی نیند سلا سکتا تھا۔

اس دوران چار گھڑسوار اونی صدریوں میں ملبوس چہرے لپیٹے وہاں پہنچ گئے۔ یہ خانہ بدوش قبیلے کے رات کے پہرے دار تھے۔ انہیں دیکھ کر کتوں کا انداز اور بھی جارحانہ ہو گیا۔

''کون ہو تم لوگ؟'' ایک پہرے دار نے کڑک کر بے حد درشت انداز میں پوچھا۔

''پہلے ان کتوں کو ہٹاؤ۔'' حشمت نے بھی مقامی زبان کا استعمال کیا۔ ''ہم فورس سے ہیں اور پہاڑی کے دوسری طرف والے پڑاؤ سے آئے ہیں۔''

پہرے دار دوسری طرف والے مہمانوں اور خاصہ دار فورس سے اچھی طرح واقف تھا مگر وہ ناراضی کا اظہار کرنے سے باز نہیں آیا۔ ''یہ کون سا وقت ہے یہاں گھومنے کا؟'' اس دوران دیگر گھڑسواروں نے کتوں کو دور ہٹا دیا تھا مگر ان کا بھونکنا موقوف نہیں ہوا تھا۔ آواز البتہ دھیمی پڑ گئی تھی۔

حشمت نے مدعا بیان کیا۔ ''ہم تمہارے سردار سے ایک بے حد ضروری کام کے سلسلے میں ملنے آئے ہیں، ہمارا پیغام سردار تک پہنچا دو۔''

ناراض پہرے دار منہ ہی منہ میں بڑبڑایا مگر بولا کچھ نہیں۔

حشمت، اسد کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں، موٹے کپڑوں نے بچا لیا اور آپ کی اسٹک بھی بروقت حرکت میں آئی۔'' وہ ہنسا۔

کچھ دیر بعد وہ ایک بڑے سے خیمے میں قبیلے کے سردار کے سامنے بیٹھے تھے۔ ساٹھ سالہ جسیم سردار غالباً گہری نیند سے جگایا گیا تھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری صاف نظر آ رہی تھی۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں وہ پرانے زمانے کی فلموں کا کوئی کردار نظر آ رہا تھا۔

''کس ضروری کام کے سلسلے میں تم لوگ اس وقت آئے ہو؟'' سردار کی بھاری آواز ابھری۔

حشمت نے بھی مطلب کی بات کی۔ ''آپ کی مدد کی ضرورت آ پڑی ہے۔''

سردار کے چہرے کی جھریوں میں جیسے یکلخت اضافہ ہو گیا مگر اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق میں اور میرا قبیلہ حاضر ہیں۔ کس قسم کی مدد کی ضرورت آ پڑی ہے ہمارے مہمانوں کو؟''

توقع کے عین مطابق، سردار قبائلی روایات نبھانے کو تیار تھا۔ اس کی بیزاری کہیں غائب ہو گئی تھی۔

حشمت بولا۔ ''ہم نے ایک بندہ پکڑا ہے جو ہماری سُن گُن لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی زبان کھلوائی ہے تو اس نے یہ انکشاف کیا ہے کہ سرخ بھیڑیے کے نام سے مشہور ڈاکو کا یہ علاقہ ہے اور وہ ڈاکو ہمارے پڑاؤ پر کبھی بھی حملہ کر سکتا ہے۔ اس سلسلے......''

سردار نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹی۔ ''اس کی زبان تم لوگ نہیں کھلوا سکے۔ بکواس کرتا ہے۔ سرخ بھیڑیے کا دور دور تک کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ یہ علاقہ ملک طورا خان کا ہے۔ ملک طورا اپنے علاقے میں کسی بھی ڈاکو اور ملک کے دشمن کا وجود برداشت نہیں کرتا۔''

حشمت کے ساتھ ساتھ اسد کو بھی طمانیت کا احساس ہوا۔ دونوں ہی ملک طورا خان نامی قبائلی سردار سے بخوبی واقف تھے۔

بے شک ملک طورا کے پاس جنگجوؤں کی ایک چھوٹی سی فوج تھی، اس کی زمینوں پر چوری چھپے پوست بھی کاشت ہوتی تھی۔ سرحد پار بھی اس کے منشیات فروشوں سے رابطے تھے مگر وہ ملک کا خیر خواہ تھا۔ کئی ملک دشمنوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے گولی ماری تھی۔

کیپٹن اسد نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ملک طورا خان جیسے سردار کے محفوظ علاقے میں ہیں۔ آپ کی زبانی یہ جان کر بہت اچھا لگا۔''

سردار نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ اس دوران قبائلیوں کی روایتی مہمان نوازی شروع ہو گئی تھی۔ خشک میوے کا تھال اور قہوہ ان کے سامنے آ گیا تھا۔

قہوہ پینے اور سردار سے بے وقت تکلیف پر معذرت کرنے کے بعد ان دونوں نے واپسی کی راہ لی۔ رات کے پہرے دار ان کے ساتھ ایک مخصوص فاصلے تک آئے تھے۔

تنہائی میسر آتے ہی حشمت بولا۔ ''تمہارے قیدی کی

کہانی تو جھوٹی ثابت ہوئی۔ یہ بات بُری طرح سے کھٹک رہی ہے کہ وہ، ہمارے آس پاس کیا کر رہا تھا؟''

''وہ، ہمیں ڈرانے کی کوشش نہ کرتا اور خود کو محض ایک مسافر بتاتا جو ہم سے ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا تھا تو اس کی کہانی میں ذرا دم ہوتا......سوچ سوچ کر ذہن ماؤف ہو رہا ہے۔''

اسد نے کہا۔''آج کی رات ہماری ہے۔ ذرا گہری تو ہونے دیں۔ اس کے اندر جو کچھ ہے سب باہر آجائے گا۔''

حشمت نے سر گھمایا۔ مارخور کی آنکھیں اندھیرے میں چمک سی رہی تھیں اور لہجے کا اعتماد سیروں خون بڑھانے کو کافی تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اسد جو کہہ رہا ہے وہ کر کے دکھائے گا۔ پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے حشمت کو ایک خیال آیا تو اس نے پوچھا۔''کیمپ میں تمہاری اصل سے اور بھی کوئی واقف ہے؟''

اسد نے جواب دیا۔''کسی حد تک انسپکٹر جلابت خان کو آگاہی ہے صاحب!''

ان کا واپسی کا سفر جاری رہا اور پھر ہوا کے دوش پر تیر کر ان کے کانوں میں مقامی موسیقی کی آواز ٹکرائی تو اندازہ ہو گیا کہ حسبِ معمول کیمپ میں رات اپنے پورے جوبن کے ساتھ اتر چکی ہے۔

کیمپ تک پہنچنے سے پہلے ان کی انسپکٹر جلابت خان سے ملاقات ہو گئی۔ بظاہر تو وہ نگرانی والی پوسٹوں پر تعینات اپنے اہلکاروں کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ حقیقت میں بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک معنی خیز سی نظر اسد پر ڈالنے کے بعد اس کی تمام تر توجہ حشمت کی طرف ہو گئی۔ دونوں نے اب تک کے واقعات پر باہمی معلومات کا تبادلہ کیا تو جلابت خان نے پُرجوش انداز میں کہا۔

''اس کمینے کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔ میرے ایک حوالدار نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس کا تعلق خانہ بدوشوں کے ایک اور قبیلے سے ہے۔ ہمارے پچھلے پڑاؤ کے قریب اس قبیلے کا ڈیرا تھا۔ لگتا ہے وہ چوری چکاری کی غرض سے ہماری تاک میں تھا۔'' یہ خبر بڑی سنسنی خیز تھی۔

جلابت خان رواں تھا۔''حوالدار دونوں میم صاحب کے ساتھ ان کے قبیلے میں گیا تھا۔ غالباً اس کی بیوی بیمار شمار تھی۔ میم صاحب نے اسے کچھ پیسے بھی دیے تھے اور کیمپ سے منگوا کر دوائی بھی دی تھی۔ لگتا ہے یہ حریص کتا ڈالرز... کی اسی گڈی کی خوشبو پر آیا ہے جو دونوں میم صاحب پرس میں ڈالے پھرتا ہے۔''

انسپکٹر جلابت خان کا یہ قیاس بھی خاصا قوی تھا۔

حشمت نے پوچھا۔''کہاں رکھا ہے اسے؟''

''نگرانی والی اونچی چٹان کے نیچے خیمہ لگا کر باندھ کر ڈال دیا ہے۔ کیمپ سے خاصی دور ہے اطمینان سے کھال اتاریں گے اس کی۔''

آس پاس ان تینوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ موقع کا فائدہ اٹھا کر اسد، جلابت خان سے مخاطب ہوا۔''ذرا اس حوالدار کو تو بلائیں جس نے قیدی کو پہچانا ہے۔''

جلابت خان نے چونک کر ان دونوں پر مشترکہ معنی خیز نظر ڈالی۔ جہاندیدہ بندہ تھا بات کو سمجھ گیا۔ اس نے واکی ٹاکی سنبھال لیا۔

اسد نے دھیمی آواز میں حشمت سے کہا۔''میری شاید عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے۔ وہ دونوں بہنیں ایجنٹ بھرتی کر رہی ہیں۔ مجھے یہ بات تھوڑی سی کھٹکی بھی تھی کہ ان کے پاس ڈالرز ضرورت سے زیادہ کیوں ہیں۔''

حشمت بولا۔''تمہاری عقل کہیں بھی نہیں گئی۔ ہوسکتا ہے یہ محض انسانی ہمدردی کا ہی معاملہ ہو اور یہ بات بھی شاید بھول رہے ہو جنہیں ایجنٹ بھرتی کیا جاتا ہے ان سے رابطہ رکھنے کا بھی کوئی مضبوط ذریعہ ہوتا ہے۔ تمہارے بقول مہمانوں کے سامان میں کوئی بھی قابل اعتراض چیز نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر ان کا کوئی مذموم ایجنڈا ذرا سا بھی سامنے نہیں آیا۔''

اسد ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔ پھر زمرد خان کو آتا دیکھ کر بولا۔''بہرحال اس بات کو ذہن میں رکھیے گا۔''

حشمت نے اثبات میں سر ہلایا۔

زمرد خان کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ وہی بندہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ وہی کچھ جانتا تھا جو اپنے انسپکٹر کو بتا چکا تھا۔ اسے واپس بھیج دیا گیا۔

کیمپ کی طرف سے آنے والی موسیقی کی آواز واضح تر ہو گئی تھی۔ جدید میوزک سسٹم پر کوئی ریکارڈ چل رہا تھا۔ حشمت نے کہا۔''میرا خیال ہے کیمپ کی طرف جانے سے پہلے قیدی سے دو، دو ہاتھ کر لیتے ہیں۔'' اسد، اس کا ہم خیال تھا۔

جلابت خان کو کیمپ کی طرف بھیج کر وہ نگرانی والی چٹان کی طرف چل دیے۔

اسد، قیدی کو خیمے سے باہر نکال لایا۔ اس کے ہاتھ، پاؤں بیدردی اور مضبوطی سے باندھے گئے تھے۔ چہرے

پر کچھ اور چوٹوں کے نشانات بھی تھے۔ یقیناً اس سے مار پیٹ کی گئی تھی مگر اس کی خودسری جوں کی توں قائم تھی۔ ایک دفعہ پھر اس نے انہیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔ وہ بول بول کر تھک گیا تو اسد نے بڑھ کر اس کے چہرے پر ایک مُکا رسید کیا۔ قیدی کے منہ سے مغلظات کا ایک نیا طوفان ابل پڑا۔

حشمت نے اسد کو نرمی سے پیچھے ہٹایا اور کہا۔ ''یہ اس طرح زبان نہیں کھولے گا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کس طرح بولے گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی جیب سے ایک تیز دھار چاقو نکالا اور اس کی نوک قیدی کی ران میں اتار دی۔ قیدی نے ایک دلخراش چیخ ماری اور اس کا دست و پابستہ وجود تڑپنے لگا۔

''بول!'' حشمت نے غراتے ہوئے چاقو کی نوک اس کی دوسری ران پر ٹکا دی۔ قیدی بلبلاتے اور چلاتے ہوئے ہکلایا۔

''ہا...... شو...... میرا نام ہے۔ تت...... تم ٹھیک نہیں کر رہے۔ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔''

ایک دفعہ پھر ہوا میں برق سی لپکی اور ہاشو کی دوسری ران بھی مضروب ہو گئی۔ اس کی چیخیں آسمان کی خبر لانے لگیں۔ چٹان کے اوپر دو اہلکار تعینات تھے۔ لمحے بھر کے لیے نیچے جھانک کر وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔

''دیکھ ہاشو! میری مرضی کے بغیر تیرے منہ سے جو بھی لفظ نکلے گا، اس کے بدلے میں تجھے ایک زخم ملے گا۔ اس کے بعد تو یہیں پڑا رہے گا۔ جنگلی سؤر اور گیدڑوں کو خون کی خوشبو کھینچ لائے گی۔ خون آشام جانور تجھے زندہ ہی بھنبھوڑ دیں گے۔'' حشمت نے ٹھہرے ہوئے پُرسکون لہجے میں جو کچھ کہا اس نے اسد کے جسم میں بھی سرد سی لہر دوڑا دی تھی۔ ہاشو تو ایک عام ساسخت جان قبائلی تھا، کہاں تاب لا سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید خوف زردی کی صورت اتر آیا اور زبان خاموش ہو گئی۔

اسد نے بڑھ کر حشمت کے ہاتھ سے چاقو لے لیا اور اس کی تیز دھار سے قیدی کی صدری کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تیرا تعلق کس قبیلے سے ہے...... تو یہاں کس مقصد سے آیا ہے۔ میں یہ سب جانتا ہوں مگر تیرے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' اس نے ایک پرانا مگر کارگر حربہ آزمایا۔

''چل اب شروع ہو جا۔'' خنجر کی نوک ہاشو کے عریاں سینے پر تھی۔

اچانک ہی سخت جان، اڑیل اور دھواں دھار دھمکیاں دینے والے ہاشو نے ایک مارخور کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ وہ بھوں بھوں کر کے رونے لگا۔

روتے روتے ہاشو نے سر اٹھایا تو کرخت چہرے کے نقوش گداز میں ڈھلے تھے۔ ''مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔ میرا بال بال قرض میں جکڑا ہے۔ بیوی بھی بیمار ہے۔ اس کے علاج کے لیے بھی پیسے چاہئیں۔ میں، میم صاحب کے پرس کے چکر میں پچھلے کئی دنوں سے تھا۔'' وہ بولا تو پھر بولتا ہی چلا گیا۔ ''اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں قسم دینے کو تیار ہوں۔''

جلابت خان کا قیاس درست ثابت ہو رہا تھا۔ وہ واقعی چور اُچکا ہی ثابت ہوا تھا۔ حشمت نے تھوڑے فاصلے پر ہو کر جلابت خان کو ایک فرسٹ ایڈ بکس کے لیے بول دیا۔ اسد پوری طرح سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ مختلف زاویوں سے مختلف سوال کر رہا تھا جن کے جواب ہاشو ہکلاتے ہوئے دے رہا تھا۔

فرسٹ ایڈ باکس آیا تو اسد پیچھے ہٹ گیا۔ بکس لانے والے کو حشمت نے مرہم پٹی پر لگا دیا۔

حشمت نے مدھم آواز میں کہا۔ ''مجھے لگتا ہے یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ اس سے ملنے والے ڈالر بھی اس کی سچائی کا ثبوت ہیں۔ دونوں بہنوں نے اس کی مالی مدد کی تھی۔''

کیپٹن اسد کا چہرہ چٹان کے مانند نظر آنے لگا۔ اس نے بھی آواز مدھم ہی رکھی۔ ''مکمل طور سے مطمئن ہونا میری تربیت کے منافی ہے۔ اسے مزید دیکھیں گے۔ فی الحال تو آپ اپنے مہمانوں کو جوائن کریں، کہیں آپ کی غیر موجودگی کو محسوس ہی نہ کیا جا رہا ہو۔''

حشمت نے متفق ہو کر اثبات میں سر ہلایا تو اسد کی آواز اور بھی دھیمی ہو گئی۔ ''میرے خیال میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آنکھیں اور کان کھلے رکھیے گا۔''

''بے فکر رہو۔ کوئی بھی گڑبڑ میری نگاہوں سے اوجھل نہ رہ پائے گی۔'' حشمت نے پُراعتماد انداز میں کہا۔ اس کے اندر کا شکاری پوری طرح سے بیدار ہو چکا تھا۔

کیمپ میں موسیقی کی لے اب بدل چکی تھی اور اب فاسٹ انگریزی میوزک بج رہا تھا۔ جس پر لنڈا اور احمد ایک دوسرے سے چپکے محو رقص تھے۔ آصف جاہ اور ہیلنا کی چڑھی سانسیں اس بات کی غماز تھیں کہ کچھ لمحوں پہلے وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔

حشمت نے ایک نظر ڈال کر محو رقص جوڑا مشغول رہا

حشمت ایک فولڈنگ چیئر پر بیٹھ گیا۔ غالیچے پر بیٹھے مہمانوں کے ساتھ رسمی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا تھا۔

آگ کے قریب تین بڑے بڑے پتیلے پتھر کے چولہوں پر دھرے تھے۔ اپنے ماہر باورچی کے ساتھ جلابت خان ان چولہوں کے قریب موجود تھا۔

رقص کا ایک دور ختم ہوا تو ہیلنا اٹھ کر حشمت کے پاس آگئی۔ ''میرے ساتھ رقص کرنا پسند کرو گے؟'' اس نے حشمت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قطعی غیر متوقع دعوت دی۔

نہ جانے کس ترنگ میں حشمت نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس ہاتھ میں بڑا گداز اور گرم جوشی تھی۔ وہ دونوں رقص کے لیے مخصوص غالیچوں پر آئے تو تالیوں کے ساتھ استقبال ہوا تھا۔

جلابت خان اور اس کے باورچی کے چہروں پر معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

حشمت نے کن انکھیوں سے ہیلنا کے شوہر آصف جاہ کی طرف دیکھا۔ وہ باقاعدہ تالیاں بجا رہا تھا۔ نمک کی کان میں رہ کر وہ بھی نمک ہو گیا تھا۔ مغربی رواج کے عین مطابق اسے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں تھی کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد کی بانہوں میں تھی۔

اس سے پہلے حشمت دونوں بہنوں کو لوک موسیقی پر ساتھ آئے ہوئے عملے کے کئی ارکان کے ساتھ رقص کرتے دیکھ چکا تھا۔

انگریزی رقص، حشمت کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھا۔ روس سے آزاد ہونے والی ریاستوں میں اس کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔

ہیلنا رقص کے دوران اس سے کچھ زیادہ ہی قریب ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا گداز بدن حشمت کا بھرپور امتحان لے رہا تھا۔

رقص کا انداز تبدیل ہوا تو ہیلنا نے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کان کے قریب سرگوشی کی۔ ''شکار کے دوران تم کہاں چلے گئے تھے؟''

قطعی غیر متوقع حملہ تھا۔ حشمت نے اسے انگلی کے ساتھ گھمایا اور وہ جیسے ہی دوبارہ قریب تر ہوئی بولا۔ ''پاس ہی ایک سنو بیکس دیکھا گیا تھا۔ اس طرف نکل گیا تھا۔ ایک شکاری کے لیے سنو بیکس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔''

ہیلنا دھیرے سے اس کے کان کے قریب ہنسی۔ ''میں نے آج تک نہ دو ٹانگوں والا سنو بیکس دیکھا نہ سنا۔''

ایک لطفے کے لیے حشمت کے قدموں کی ہم آہنگی متاثر ہوئی مگر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔

ہیلنا نے مزید کہا۔ ''میرے ساتھ ساتھ لنڈا نے بھی تمہیں جیپ سے اتر کر ایک بندے کے پیچھے بھاگتا دیکھا تھا۔ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔'' آخری فقرہ اس نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

حشمت نے اسے کمر سے پکڑ کر گھمایا۔ ہیلنا نے بڑی مہارت سے توازن قائم رکھتے ہوئے اسٹیپ مکمل کیا۔ اب اس کی پشت حشمت کے سینے سے لگی تھی۔

حشمت نے اس کے بالوں سے اٹھتی، حواس مختل کر دینے والی خوشبو سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے کان کے قریب سرگوشی کی۔ ''جھوٹ کی معافی چاہتا ہوں۔ دراصل مہمانوں کو کسی ذہنی کوفت سے دور رکھنا بھی میری ذمے داری ہے۔ وہ ایک اچکا تھا جو چوری کی غرض سے آس پاس منڈلا رہا تھا۔''

ہیلنا دوبارہ سیدھی ہوئی۔ ''ٹھیک ہے، معاف کیا۔'' اس نے بڑی ادا سے کہا۔ ''لیکن جھوٹ کی کوئی نہ کوئی سزا تو ملنی چاہیے۔'' اس نے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے حشمت

عاشقی

ایک پڑوسن نے دوسری سے کہا۔ ''میرے شوہر تم پر عاشق ہو گئے ہیں۔''

یہ سُن کر پڑوسن آپے سے باہر ہو گئی اور دوسری کے شوہر کو جی بھر کے گالیاں، کوسنے اور بددعائیں دیں۔ جب وہ اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر چکی تو پہلی پڑوسن نے کہا۔

''اپنے شوہر کو بھی ذرا سمجھانا، وہ مجھ پر عاشق ہے۔''

کن لوگوں کے لیے

ایک پستہ قد تاجر انکم ٹیکس کے دفتر گیا۔ وہاں وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا۔ ''جناب، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں؟''

''کسی سے بھی نہیں۔'' تاجر نے کندھے ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں تو یہ دیکھنے آیا تھا کہ میں کن لوگوں کے لیے دن بھر کام کرتا ہوں۔''

گلگت سے زاہد حسین کی خدمت

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔
حشمت گڑبڑا گیا۔ ''مم...... میں سمجھا نہیں۔''
ہیلنا، اس سے قریب تر ہوئی۔ ''رات خیمے کی ڈوری اندر سے بند نہ کرنا۔ میں آ کر سمجھا دوں گی۔'' اس نے بے باکی کی آخری حد کو چھو لیا تھا۔
حشمت کا دماغ سنسنا اٹھا۔ نفس کا سرکش گھوڑا پوری رفتار سے دوڑنے لگا۔ یہ الفاظ تھے یا کوئی طاقتور نشہ...... حشمت کو لگا جیسے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیت یکلخت موقوف ہو گئی ہے۔ کھانے کے دوران بھی وہ اس کیفیت سے مکمل طور پر نہیں نکل سکا۔ زرجان شاہ کے ساتھ کھانے کے بعد چہل قدمی پر بھی نہیں گیا۔ تھکن کا بہانہ بنا کر اپنے خیمے میں جا گھسا۔
دھڑکتے دل کے ساتھ دبیز کمبل میں لیٹا وہ سراپا انتظار تھا۔ معمولی سی آہٹ پر بھی ہیلنا کی آمد کا گماں ہوتا تھا۔
رات نصف سے زیادہ سفر طے کر چکی تھی جب خیمے کے دروازے پر آہٹ ہوئی۔ حشمت کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ خیمہ نسوانی خوشبو سے بھر گیا۔ اگلے کچھ پل میں ہیلنا، اس کے ساتھ کمبل میں تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کا شوہر نیند کی گولی لے کر سونے کا عادی ہے۔
دو گھنٹے بعد جب ہیلنا واپس جا چکی تو حشمت ندامت کے احساس کے ساتھ گہری نیند میں ڈوب گیا۔

☆☆☆

صبح اسے معمول کے برعکس حوالدار زمرد جان نے گہری نیند سے جگایا۔ سر اونی موٹی ٹوپی سے ڈھانپ کر اس نے خیمے کا دروازہ کھولا۔
زمرد جان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ''صاحب! وہ...... وہ قیدی بھاگ گیا۔ انسپکٹر صاحب آپ کو بُلا رہے ہیں۔''
حشمت کے سر پر جیسے کسی نے لٹھ مار دیا۔ وہ جلدی سے تیار ہو کر خیمے سے باہر آ گیا۔ مہمان ابھی تک سوئے ہوئے تھے۔ الاؤ بدستور روشن تھا۔ ایک بڑے سے برتن میں پانی گرم کیا جا رہا تھا۔ زمرد جان کے ساتھ تیزی سے چلتے ہوئے حشمت نے کہا۔ ''یہ کیسے ہوا؟ تم لوگ، کہاں مر گئے تھے؟'' اس کے انداز میں برہمی تھی۔ ''کیا مرہم پٹی کے بعد اسے باندھا نہیں گیا تھا؟''
زمرد جان مزید بدحواس ہو گیا۔ ''بب...... باندھا گیا تھا۔ قیدی کسی کی مدد سے فرار ہوا ہے۔'' اس نے مزید انکشاف کیا۔ ''باہر سے کسی نے آ کر اس کی مدد کی ہے۔''
حشمت کے جبڑے بھنچ گئے۔ ''ایسا ہے تو تم سب لوگوں کو الٹا لٹکا دینا چاہیے۔''
قیدی والے خیمے کے پاس انسپکٹر جلابت خان ان آٹھ اہلکاروں پر برس رہا تھا جو اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ یہ لوگ رات کی ڈیوٹی پر تھے۔
جلابت خان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی بھی لمحے وہ، ان پر پل پڑے گا۔ ان دو اہلکاروں کی حالت بہت پتلی نظر آ رہی تھی جو قیدی والے خیمے کے عین اوپر چٹان پر تعینات تھے۔ قریب پہنچ کر حشمت نے تاسف سے کہا۔ ''لالے! ہمارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ہم ایک قیدی نہیں سنبھال سکے۔ مہمانوں کی حفاظت خاک کریں گے۔''
جلابت خان کے سرخ چہرے پر ندامت چھا گئی۔ اگلے ہی پل وہ ان دو اہلکاروں پر ٹوٹ پڑا جو چٹان پر تعینات تھے۔ تھپڑوں کے بعد اس کے پاؤں بھی حرکت میں تھے۔ دونوں اہلکار نیچے گرے دوہائیاں دے رہے تھے۔ حشمت نے آگے بڑھ کر جلابت خان کو سنبھالا۔ ''سانپ نکلنے کے بعد اب لکیر پیٹنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''
جلابت خان کا بازو پکڑے حشمت خیمے میں داخل ہوا۔ کٹی ہوئی بندشیں ان کا منہ چڑا رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا۔ قیدی کسی کی مدد سے فرار ہوا تھا۔
کسی کی نظروں میں آئے بغیر مددگار یہاں تک پہنچا تھا اور قیدی کو آزاد کروا کر ساتھ لے گیا تھا۔ یہ سیکیورٹی پر ایک بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔ کیمپ وہاں سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔ جو یہاں تک آ سکتا تھا، کیمپ تک تو اور بڑی آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ نگرانی کا زیادہ زور تو اطراف پر تھا۔
اس دوران کیپٹن اسد بھی نزاکت علی کے روپ میں وہاں پہنچ گیا۔ اس نے سپاٹ انداز میں اطلاع دی کہ پڑاؤ میں سے ایک خچر بھی غائب تھا۔ زخمی قیدی یقیناً اس پر فرار ہوا تھا۔
جلابت خان فوراً ہی ایک پارٹی غائب ہونے والے قیدی کے قبیلے میں بھیجنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ خیمے سے باہر نکلا تو نزاکت علی کی جگہ کیپٹن اسد نمودار ہوا۔
''خاصہ بردار اہلکاروں پر برسنا فضول ہے۔ قیدی کو ہمارے کیمپ کے اندر سے ہی کسی کی مدد حاصل تھی۔'' اس نے دھماکا کیا۔ ''باہر سے کسی کا آسانی سے آنا ممکن نہیں تھا۔

حشمت کو اس کی بات دل کو لگی۔ ''تمہارا مطلب ہے مہمانوں میں سے کسی نے اس کی مدد کی ہے؟''

اسد نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''بالکل، کسی نے آرام سے آکر اس کی بندشیں کاٹیں۔ خچر کی لگام تھمائی اور بھگا دیا۔'' پھر اس کا انداز تبدیل ہوا۔ ''آپ کی نظروں سے کوئی بچ کر کیسے یہ کام کر گیا۔ آپ تو مہمانوں کے قریب تھے۔''

حشمت نے آنکھیں چرائیں۔ ''میں خاصی دیر تک جاگتا رہا ہوں اور خیمے سے بھی باہر رہا ہوں۔ اگر کسی مہمان کی کارستانی ہے تو یقیناً صبح کاذب کے قریب کا وقت رہا ہو گا۔ میں، اس وقت سویا ہوں۔'' اس نے جھوٹ تو بول دیا تھا مگر کوئی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا اسے باقاعدہ ٹریپ کیا گیا ہے۔ ہیلنا نے اسے خود میں الجھا کر اردگرد سے غافل کر دیا تھا۔

کیپٹن اسد نے افسوس کے انداز میں سر ہلایا اور بولا۔ ''تمام تہماد مہمانوں پر نظر رکھنے اور ان کے مذموم ارادوں کو جاننے کے لیے کسی خاتون کا انتظام کرنا ہی ہو گا۔ میں اپنا آپریٹس آزماتا ہوں۔ ممکن ہے مجھے آپ کے سیٹلائٹ فون کی ضرورت پڑ جائے۔''

''جب چاہو گے حاضر کر دوں گا۔''

کیمپ کی طرف واپس جاتے ہوئے حشمت احساس ندامت میں گھرا ہوا تھا۔ کیپٹن اسد نے اسے مہمانوں پر نظر رکھنے کا ٹاسک بھی دیا تھا مگر نسوانی حربے نے اسے چت کر دیا۔

نیم گرم پانی سے غسل کر کے اس نے چائے پی۔ اس دوران مہمان بھی یکے بعد دیگرے بیدار ہونے لگے تھے۔

ناشتے پر حشمت نے ان کے چہرے پڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ البتہ ہیلنا بڑی نکھری نکھری سی نظر آرہی تھی اور حشمت کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ دوڑ جاتی تھی۔

باتوں باتوں میں قبائلی سرداروں اور ان کی پُرشکوہ حویلیوں کا ذکر چلا تو آصف جاہ نے ایسی ہی کسی حویلی کے درشن کی شدید خواہش ظاہر کر دی۔ باقیوں نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اس کے بعد علاقے سے واپسی کا بھی ارادہ ظاہر کیا۔

حشمت نے جلابت خان سے بات کی۔ تین گھنٹے کی مسافت پر قبائلی سردار ملک طورا خان کی قلعے نما حویلی موجود تھی۔ پاس ہی اپرا اور زیریں نام کی دو قبائلی بستیاں بھی آباد تھیں سو پڑاؤ اٹھا کر اس طرف جانے کا فیصلہ ہوا۔

کیپٹن اسد کو سیٹلائٹ فون کی ضرورت پڑی تو حشمت نے اسے بھی نئے پروگرام سے آگاہ کر دیا۔ ہاشو کے قبیلے کی طرف جانے والی پارٹی دوپہر تک واپس لوٹ آئی تھی۔ توقع کے عین مطابق ہاشو اپنے قبیلے میں واپس نہیں گیا تھا۔

پارٹی کی واپسی تک پڑاؤ لپیٹا جا چکا تھا۔ یہ قافلہ فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

سورج ڈھلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی کہ یہ قافلہ سردار ملک طورا کی پکی دیواروں والی عظیم الشان حویلی تک پہنچ گیا۔

قبائلی علاقوں میں مہمان ایک بہت خاص لفظ ہوتا ہے۔ ملک طورا کو جب اطلاع ملی کہ کچھ غیر ملکی مہمان خاصہ دار فورس کے ساتھ آئے ہیں تو وہ خود استقبال کے لیے دوڑا آیا۔

خاصہ دار فورس اور قبائلیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ فورس کا انسپکٹر ایک بہت بڑا عہدہ سمجھا جاتا ہے۔ انسپکٹر کے ساتھ آئے ہوئے مہمانوں کی مہمان نوازی کسی اعزاز سے کم نہیں تھی۔ سردار ملک طورا کی عمر ساٹھ سال سے بھی اوپر تھی مگر صحت قابلِ رشک تھی۔ سرخ چہرہ، سفید داڑھی کے ساتھ وہ ایک قابلِ احترام شخصیت تھی۔

ان کے لیے حویلی کا بڑا گیٹ کھول دیا گیا۔ حویلی کے بہت بڑے دالان میں غالباً کوئی تقریب جاری تھی۔ خواتین و مرد کثیر تعداد میں نظر آرہے تھے۔ پہلی دفعہ انہوں نے کوئی مخلوط اجتماع دیکھا تھا۔ البتہ خواتین لمبی لمبی چادروں سے خود کو اچھی طرح سے ڈھانپے ہوئی تھیں۔

خواتین اور مرد علیحدہ علیحدہ حصوں میں بٹے دریوں پر بڑے عقیدت سے براجمان تھے۔ کوئی مناجات پڑھی جارہی تھی جس کے دوران اچانک ہی ''ہو...... ہو'' کی مشترکہ آواز بلند ہوتی تھی اور ہر طرف گونج اٹھتی تھی۔ یہ غالباً کوئی روحانی اجتماع تھا۔

اس منظر میں غیر ملکی مہمانوں کی دلچسپی دیدنی تھی۔

سورج غروب ہوا ہی چاہتا تھا۔ حویلی کے خدام ہاتھوں میں گیس کے ہنڈے سنبھالے گردش میں تھے۔ ان لوگوں کے لیے وسیع و عریض مہمان خانہ کھول دیا گیا تھا۔ غیر آرام دہ سفر نے انہیں تھکا دیا تھا مگر تھکن پر روحانی اجتماع کو پاس سے دیکھنے کی خواہش غالب آ گئی۔ غیر ملکی مہمانوں نے وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی۔

فوراً ہی لنڈا اور ہیلینا کے لیے چادریں مہیا کر دی گئیں۔ اس اجتماع میں بیٹھنے کے لیے خواتین کا باپردہ ہونا شرط تھا۔

پتا چلا کہ ملک طورا کی پہلی بیوی علاقے میں بہت مقبول اور معروف تھیں۔ ہر جمعرات والے دن ان کی طرف سے ایک دعائیہ محفل سجائی جاتی تھی اور لنگر کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ دور دور سے معتقدین اس محفل میں شرکت کے لیے آتے تھے۔

☆☆☆

منظر ایک بڑے سے ہال نما کمرے کا تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے تھے۔ دیواروں کو بھی غالیچوں سے ڈھانپا گیا تھا۔ دیواروں کے ساتھ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ درمیان میں انواع و اقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے اور پورا ہال گیس والے ہنڈوں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔

سارے مہمان یہاں موجود تھے۔ انسپکٹر جلابت خان بھی ساتھ تھا۔ یہ سردار طورا کی جانب سے رات کے کھانے کی دعوت اور پہلی باضابطہ ملاقات تھی۔

دروازہ کھلا اور سردار طورا اپنے دو گارڈز اور دس سال کے ایک پیارے سے بچے کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ گارڈز دروازے میں ہی رک گئے۔

سب لوگ استقبال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ سردار سبھی سے فرداً فرداً ملا۔ لنڈا اور ہیلینا کے سر پر اس نے باقاعدہ ہاتھ پھیرا۔ بچے کا تعارف اس نے اپنے پوتے کے طور پر کروایا تھا۔ ظاہر ہے بوڑھے دادا کو اپنا پوتا بے حد پیارا تھا جو اس وقت بھی اس کے ساتھ تھا۔

حشمت سے ہاتھ ملاتے ہوئے سردار کی نظریں اس کے چہرے پر گڑ گئیں۔ ”میری بوڑھی آنکھیں اگر دھوکا نہیں دے رہیں تو میرے سامنے حشمت زازی ہے۔ شال کا آسیب۔“

حشمت کا چہرہ دمک اٹھا۔ اس نے سردار کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ ”عظیم سردار کی آنکھیں کہاں دھوکا دے سکتی ہیں۔ آپ نے صحیح پہچانا۔“

سردار طورا مسکرا اٹھا۔ ”کیا تمہیں واقعی ”مم“ اٹھا کر لے گئی تھی؟“

حشمت بھی جواباً مسکرایا۔ ”ایسا ہوتا تو آج آپ کے سامنے نہ کھڑا ہوتا۔ یہ یار لوگوں کے گھڑے قصے ہیں۔“

علاقائی روایات کے مطابق مم ایک افسانوی عورت نما مخلوق، دور دراز کے بلند پہاڑ جس کا مسکن تھے اور وہ مردوں کو پکڑ کر اپنے غار میں لے جاتی تھی۔

سردار فوراً ہنستا ہوا اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ پوتا بھی اس کے پہلو میں تھا۔ سردار نے ایک نقرئی گھنٹی بجائی تو خدام جو دروازے کے باہر مستعد کھڑے تھے، اندر داخل ہو گئے۔

کھانے کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ کھانا بے حد پُرتکلف تھا۔ کھانے کے بعد سبز الائچی ڈال کر ایک خاص قسم کا قہوہ مہمانوں کی خدمت میں پیش کیا گیا جس کے ذائقے اور خوشبو پر غیر ملکی مہمان فدا ہو گئے۔ اس دوران سردار طورا کے پوتے کو لنڈا اٹھا کر اپنے پاس لے آئی تھی۔ اس نے بچے سے اشاروں کنایوں میں گفتگو کرنے کی کوشش کی تو انکشاف ہو۔ بچہ انگریزی زبان پر مکمل عبور رکھتا ہے۔ اس کے لیے ایک ٹیوٹر گزشتہ دو سال سے حویلی میں مقیم تھا۔

اپنے پوتے کو فر فر انگریزی بولتا دیکھ کر سردار طورا نہال ہو گیا۔ اس کا سرخ چہرہ اور بھی چمکنے لگ گیا تھا۔ سردار طورا انہیں آرام کرنے کا کہہ کر اپنے پوتے کے ساتھ گارڈز کی ہمراہی میں کھانے والے کمرے سے نکل گیا۔

آرام کی ضرورت سبھی کو محسوس ہو رہی تھی۔ مہمانوں نے اپنے لیے مخصوص کمروں کا رخ کیا۔ حشمت عمارت سے باہر نکل آیا۔ انسپکٹر جلابت خان بھی اس کے ہمراہ تھا۔

مہمان خانے کی پُرشکوہ عمارت کے پہلو میں نیچی چھتوں والے درجنوں کمرے تھے۔ یہ غالباً خدمت گزاروں اور کم حیثیت کے مہمانوں کے لیے تھے۔ خاصہ بردار فورس کے اہلکار انہی کمروں میں مقیم تھے۔

حشمت کے ساتھی زرجان شاہ نے ایک دفعہ پھر اپنے اہلکاروں کے ساتھ ہی رہنے کو ترجیح دی تھی۔ کیپٹن اسد کے حصے میں جو کمرا آیا، زرجان شاہ بھی اسی میں مقیم تھا۔ حشمت اس کمرے میں داخل ہوا اور زرجان شاہ کو مخصوص اشارہ کیا تو وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسد نے اسے اطلاع دی کہ کام ہو گیا۔ لنڈا اور ہیلینا پر قریب سے نظر رکھنے کے لیے کیپٹن فریحہ پہنچنے ہی والی تھی۔

ایک گٹھڑی میں مہارت سے چھپایا گیا سیٹلائٹ فون لے کر حشمت اپنے کمرے میں آ گیا۔ رات گہری ہو چلی تھی۔ نفس کا شیطان دوبارہ بھرپور انگڑائی لے کر بیدار ہو چکا تھا۔ حشمت نے شیطان سے لڑتے ہوئے ایک گرم اونی شال اوڑھی اور پتھر کے دو آرائشی گملوں کے درمیان چھپ کر بیٹھ گیا۔ برف کے مانند ٹھنڈے فرش نے اسے شیطان سے لڑنے میں خاصی مدد فراہم کی تھی۔ آج رات وہ،

مہمانوں کی شبینہ مصروفیات کا اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

یہ ایک طویل راہداری تھی جس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ ایک کونے میں گیس کا ہنڈا... لٹکا ہوا تھا۔ دوسرے کونے میں آرائشی گملوں کے پیچھے حشمت تھا۔ حشمت نے اپنی کمین گاہ سے نکل کر گیس والے ہنڈولے کی روشنی خاصی مدھم کر دی۔ اب اس کے اچانک دیکھ لیے جانے کے امکانات بے حد کم ہو گئے تھے۔

حشمت کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ لنڈا والے کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھلا اور ایک نسوانی ہیولا باہر آ گیا۔

حشمت کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔ وہ یقیناً لنڈا تھی۔ اس نے آہستگی سے احمد والے کمرے کے دروازے کو دھکیلا۔ دروازہ اس کے انتظار میں اندر سے بند نہیں تھا۔ پل بھر میں وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ دروازہ بند ہو گیا۔

یہ سوچ کر حشمت کی سانسیں دہکنے لگیں کہ شاید ہیلنا بھی ابھی اپنے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے کی طرف جائے۔

اس بات کا وہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ ہیلنا کی آمد کی صورت میں وہ یہیں چھپا رہے گا یا اپنے کمرے میں جائے گا۔

وقت مخصوص رفتار سے دوڑتا رہا۔ رفتہ رفتہ ہیلنا کی اپنے کمرے میں سے برآمد ہونے کی امید مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ راہداری میں مکمل سکوت طاری تھا۔

لنڈا جب اپنے کمرے میں واپس چلی گئی تو حشمت نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ کمرے میں آ کر شدید خواہش کے باوجود وہ دروازے کو اندر سے بند کرنے میں کامیاب رہا تھا۔

☆☆☆

صبح ناشتے کے وقت انہیں اطلاع دی گئی کہ مہمانوں کا سردار طورا کی پہلی بیوی سے خود جا کر ملنا حویلی کا دستور تھا۔ ان کے لیے مخصوص حصہ مہمان خانے کے ہم دیوار ہی تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر سبھی مہمان بی بی والے حصے کی طرف چل دیے۔ گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو ہر طرف ہریالی نظر آئی۔ سبز گھاس پر دریاں بچھی ہوئی تھیں جن میں دو درجن سے زائد بچے بیٹھے قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ بچوں کے باریش معلم بھی نظر آ رہے تھے جنہوں نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ان پر ڈالی تھی۔

ہیلنا اور لنڈا مکمل طور پر چادروں میں چھپی ہوئی تھیں۔ رہنمائی کے لیے ایک بوڑھی خادمہ ان کے ساتھ تھی۔ سرسبز گھاس کے درمیان میں ایک چار فٹ اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ ایک طویل برآمدہ اور اس کے پیچھے چار اونچی چھتوں والے کمرے۔ برآمدے میں لکڑی کے تخت بچھے تھے اور چند کرسیاں بھی پڑی تھیں۔

خادمہ نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ایک کمرے میں غائب ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ دروازے پر نظر آئی اور انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

وہ لوگ اندر داخل ہوئے تو لکڑی کے ایک اونچے تخت پر ایک ضعیف العمر خاتون سیدھی کمر کے ساتھ براجمان تھیں۔ سفید چادر کے ہالے میں ان کا نورانی چہرہ دمک رہا تھا۔ یہی سردار طورا کی پہلی بیوی تھیں۔

سفید چادر میں ہی ملبوس ایک خادمہ ناشتے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ غالباً مردوں کی موجودگی کے سبب خادمہ نے چادر گھونگھٹ کی طرح آگے کھینچ لی تھی۔ برتن سمیٹ کر خادمہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ بی بی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ لوگ سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

بی بی کی پاٹ دار آواز ابھری۔ ”تم لوگ حویلی کے مہمان ہو۔ میں، تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں۔“ حشمت نے ترجمان کا کردار نبھایا اور دونوں طرف کے خیر مقدمی جملوں کا ترجمہ کر دیا۔

اس دوران برتن سنبھال کر جانے والی خادمہ لوٹ آئی اور خاموشی سے بی بی کے قریب تخت پر بیٹھ کر ان کے پاؤں دبانے لگی۔ خادمہ کے ہاتھوں پر جلنے کے واضح اور پرانے نشانات تھے۔ گھونگھٹ میں سے ٹھوڑی اور ہونٹوں کا کچھ حصہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یہاں بھی جلنے کے نشان تھے۔ بی بی نے ان کے گھروں کو بہ خیریت لوٹ جانے کی دعا کی تھی۔

حشمت نے محسوس کیا کہ بی بی کی آنکھوں میں روح تک اتر جانے والی گہرائی تھی۔ وہ نگاہ جما کر دیکھتی تھیں تو ان نگاہوں کی تاب لانا بے حد مشکل امر تھا۔

بی بی نے آنکھیں موندیں تو ساتھ آنے والی خادمہ نے انہیں اٹھنے کا اشارہ کیا۔ باہر آئے تو لنڈا بولی۔

”بلاشبہ یہ ماورائی قوت کی مالک خاتون ہیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی دل کے اندر جھانک کر دیکھ رہا ہو۔“

ہیلنا اور آصف جاہ نے بھی اس سے ملتی جلتی کیفیت کا

اظہار کیا۔ سبھی لوگ ان خاتون سے خاصے متاثر نظر آرہے تھے۔

دوپہر کو ان لوگوں نے پاس ہی موجود آبادی کا رخ کیا۔ یہ اپر طوراخیل کی بڑی بستی تھی۔ بازار میں سرعام ہتھیار اور منشیات فروخت ہوتی دیکھ کر غیر ملکی مہمان دنگ رہ گئے۔

☆☆☆

حشمت رات کو پھر اپنی جگہ پر موجود تھا جب لنڈا اپنے کمرے سے نکلی۔ حشمت یہ دیکھ کر چونک گیا کہ آج اس کا رخ احمد کے کمرے کے بجائے باہر کی طرف تھا۔

لنڈا گیس والے ہنڈے کے قریب پہنچی تو صاف نظر آنے لگی۔ وہ سیاہ رنگ کے چست لباس میں تھی اور کافی چوکنی نظر آرہی تھی۔ آخری کنارے پر رک کر اس نے باہر کا جائزہ لیا اور پھر اندھیرے میں رینگ گئی۔

حشمت کے لیے اپنی جگہ پر رکے رہنا ممکن نہیں رہا۔ وہ تیندوے کی سی پھرتی سے بے آواز طریقے سے لنڈا کے پیچھے لپکا۔ اچانک ہی ٹھٹک کر اسے ایک ستون کی اوٹ لینا پڑی۔ دیوار کی اوٹ سے نکل کر ایک اور ہیولا لنڈا کے پیچھے لپکا تھا۔

حشمت نے ایک لحظے کے لیے ہی اس ہیولے کو دیکھا تھا۔ وہ بھی کوئی نسوانی ہیولا ہی تھا۔ پہلا خیال ہیلنا کی طرف جاتا مگر جسمانی ساخت دونوں کی مختلف تھی۔ اس لڑکی کا قد بھی درمیانہ تھا جبکہ ہیلنا خوب لمبی، تڑنگی تھی۔

اچانک ہی جیسے برق چمکی۔ یہ لڑکی کہیں کیپٹن فریحہ تو نہیں تھی۔ یقیناً وہی تھی۔

لنڈا نے مہمان خانے کے مرکزی دروازے پر رک کر نیم تاریکی میں اردگرد کا جائزہ لیا۔ اس سے پہلے فریحہ ایک پودے کی اوٹ لے چکی تھی۔

یکے بعد دیگرے دونوں لڑکیاں مہمان خانے سے باہر نکل گئیں۔ حشمت ہر ممکن تیز رفتاری سے دروازے تک پہنچا۔ اسے لمحے بھر کے لیے فریحہ کا ہیولا نظر آیا جو بی بی والے احاطے میں داخل ہو رہا تھا۔

حشمت کی چھٹی حس نے اچانک ہی اطلاع دی کہ اس کے پیچھے کوئی موجود ہے۔ برق کی طرح گھومتے ہی کولٹ اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

''یہ میں ہوں...... اسد!'' کیپٹن اسد نے بے حد حاضر دماغی کا ثبوت دیا تھا۔

حشمت کا ہاتھ جھنجھنا کر رک گیا۔ کولٹ کا وزنی دستہ اسد کے سر سے محض دو انچ ہی دور رکا تھا۔

حشمت کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے کہا۔ ''شکر ہے میں اپنا ہاتھ روکنے میں کامیاب رہا۔''

اسد نے ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ فوراً اپنے کمرے میں جائیں۔ دوسری لڑکی یقیناً چوکس ہوگی۔ اسے آپ کی غیر موجودگی کا احساس ہو گیا تو دونوں بہنیں ہوشیار ہو جائیں گی۔''

حشمت نے کچھ کہنا چاہا تو اندھیرے کے باوجود اسد نے اس کا ارادہ پڑھ لیا۔

''اس کے پیچھے فریحہ ہی گئی ہے۔ وہ بہترین صلاحیتوں کی حامل ہے۔ ضرور کچھ نہ کچھ ایسا نکال لائے گی جو ان بہنوں کے ارادے کو سمجھنے میں مدد کرے گا، فی الحال آپ جائیں۔''

حشمت واپس آیا تو ہیلنا، اس کے کمرے میں موجود تھی۔ بے اختیار وہ اس کے گلے آ لگی۔ ''کہاں چلے گئے تھے تم...... میں انتظار کر رہی تھی۔''

حشمت نے خود کو سنبھالا۔ ''سردار طورا نے بلایا تھا۔ بے خوابی کا مریض ہے۔ شکار کے قصے سنا رہا ہے مجھ سے۔''

ہیلنا نے غیر محسوس انداز میں جیسے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ ایک منہ زور ندی تھی۔ حشمت کی بے نام سی مزاحمت کہاں اسے روک سکتی تھی۔ وہ بہا کر لے گئی۔

☆☆☆

اگلے دن اسد کے پاس حشمت کے لیے ایک الجھی ہوئی رپورٹ تھی۔ لنڈا نے بی بی والے حصے میں گھسنے کے بعد تین کمروں کی بھرپور تلاشی لی تھی۔ بی بی والے کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا یا کوئی اور وجہ تھی لنڈا اس کمرے میں داخل نہیں ہوئی تھی۔

لنڈا کی رات والی کارروائی سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی چیز کی تلاش تھی اور اس چیز کے بی بی کے پاس پائے جانے کے قوی امکانات تھے۔ وہ کیا چیز تھی؟ اور لنڈا کو کیوں اس کی تلاش تھی؟ ان سوالوں کے جواب ہنوز غائب تھے۔

اسد نے یہ بتا کر اسے حیرت زدہ کر دیا کہ لنڈا مقامی زبان بھی بول لیتی ہے۔ ایک محافظ کا سامنا ہونے پر اس نے خود کو بی بی کی خدمت گزار ظاہر کیا تھا۔ اندھیرے کے سبب محافظ اس کے حلیے پر غور نہیں کر سکا تھا۔

فریحہ نے اپنے کانوں سے اسے مقامی زبان میں بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ فریحہ نے حویلی کے اندر خدمت گار کے طور پر ملازمت حاصل کرلی تھی اور کسی طرح اپنی ڈیوٹی بھی مہمان خانے میں لگوالی تھی۔

اسد اور حشمت بہت دیر تک بیٹھے مغز ماری کرتے رہے مگر لنڈا وغیرہ کے مقاصد کا ٹھوس اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ان کے مقصد کو جاننے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا۔ ان پر گہری نظر رکھی جائے۔

انہیں تین دن حویلی میں ہو گئے تھے۔ کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔ ان تین دنوں میں دونوں بہنوں کی شبینہ مصروفیات بھی موقوف رہی تھیں البتہ دن کی روشنی میں انہوں نے پوری حویلی گھوم لی تھی۔ محافظوں کی برجیاں تک بھی انہوں نے نہیں چھوڑی تھیں۔ زنان خانے میں ان کا بیشتر وقت گزرتا تھا۔ ان کے لیے یہ بات بے حد حیرت کا باعث تھی کہ سردار طورا کی چار بیویاں تھیں۔ چوتھی اور سب سے چھوٹی بیوی کی عمر محض سولہ، سترہ سال تھی۔

اس دوران دودفعہ دونوں بہنیں بی بی سے بھی ملنے جا چکی تھیں اور ظاہر کرتی تھیں کہ وہ، بی بی سے بے حد متاثر ہیں۔

حشمت نے اس دوران محسوس کیا کہ اکثر ہی رات کے کھانے کے بعد دونوں بہنیں، آصف جاہ اور ہیرس تاش لے کر ایک کمرے میں گھس کر بیٹھ جاتے تھے۔

حشمت نے ایک دفعہ چھپ کر دیکھا تو چاروں تاش کھیلنے کے بجائے سر جوڑے بیٹھے تھے اور کسی بے حد سنجیدہ موضوع پر بات ہو رہی تھی جس کا اندازہ ان کے چہروں سے ہو رہا تھا۔ حشمت کوشش کے باوجود ان کا ایک لفظ بھی سننے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اتنا اندازہ اسے ضرور ہو گیا کہ ان کے درمیان کوئی کھچڑی پک رہی تھی۔

حشمت نے اسد کو بھی اس بات سے آگاہ کیا تو معلوم ہوا فریحہ کی طرف سے بھی کچھ ایسی ہی خبر آ چکی ہے۔

☆☆☆

اگلے دن دوپہر کا وقت تھا۔ حشمت، زرجان شاہ کے ساتھ دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا۔ لنڈا اور ہیلنا زنان خانے میں گھسی ہوئی تھیں۔ احمد، آصف جاہ اور ہیرس حویلی کا قدیمی زمین دوز بندی خانہ دیکھنے گئے ہوئے تھے۔

کہا جاتا تھا کہ سردار طورا کے مجرموں کے لیے یہ بندی خانہ اس وقت بھی استعمال ہوتا تھا۔

حشمت نے زرجان شاہ کو مہمانوں کی مشکوک سرگرمیوں سے آگاہ کیا تو وہ بھی حیران رہ گیا تھا۔

اچانک ہی فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ یکے بعد دیگرے تین فائر ہوئے تھے۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ وہ اہلکار بھی جو میسر آنے والی فراغت کے سبب دھوپ میں بیٹھے اینڈ رہے تھے، چونک اٹھے۔

فائرنگ کی آواز پاس ہی زنانہ حصے سے آئی تھی۔ حشمت نے اسد کو دیکھا جو برق رفتاری سے بھاگا جا رہا تھا۔

حشمت، اس کی طرف لپکا تو زرجان شاہ بھی ساتھ ہو لیا۔ وہ مہمان خانے سے نکلے تو ان پر سیدھا فائر ہوا۔ گولیاں سنسناتی ہوئی حشمت کے پاس سے گزریں۔ اس نے ایک درخت کی طرف چھلانگ لگائی۔ وزنی کولٹ اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

کیپٹن اسد کو اس نے ایک دیوار کی اوٹ میں گرتے اور پھر سنبھلتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے زرجان شاہ کی کراہ بھی سنی تھی۔ وہ بازو تھامے واپس مہمان خانے کے اندر جا گرا تھا۔

ٹیڑھ

محترم خاتون! اپنی نظر کے سامنے ہمیشہ پیسا کے ترچھے ٹاور کی مثال رکھیے۔ اگر وہ سیدھا ہوتا تو کوئی شخص بھی اس پر دوسری نظر ڈالنا گوارا نہ کرتا...... دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے آپ بھی اپنے اندر تھوڑی سی انفرادیت پیدا کر کے ترچھی ہو جائیے۔

کراچی سے اقبال احمد کا مشورہ

پاگل کی گالی

ایک شخص نے اپنے ماحول میں کوئی نمایاں کام انجام دیا۔ اس کا خیال تھا کہ لوگ اسے سراہیں گے لیکن اس کے برعکس اس پر تنقید اور ملامت کی بھرمار ہو گئی۔ وہ ان حملوں کو نہایت صبر و استقلال سے برداشت کرتا رہا۔ اس کے کسی مخلص دوست نے پوچھا۔ ”میں حیران ہوں کہ تم ملامت اور تنقید کرنے والوں کے زہریلے حملوں کو برداشت کس طرح کر رہے ہو؟“

اس نے جواب دیا۔ ”بالکل اسی طرح جس طرح کوئی ذی ہوش انسان پاگل خانے کے پاگلوں کی گالیاں برداشت کر لیا کرتا ہے۔“

صوابی سے خورشید احمد کا افسوس

ایک طویل برسٹ نے اس موٹے تنے والے درخت کو ہلا کر رکھ دیا جس کے پیچھے حشمت نے پناہ لی تھی۔

حشمت کا دماغ سنسنا رہا تھا۔ فائرنگ سردار طورا کی پہلی بیوی کے رہائشی احاطے کے پاس سے ہو رہی تھی۔ فائر کرنے والا جو بھی تھا، احاطے کے دروازے کے پیچھے مورچا زن تھا۔

حشمت نے اپنا کولٹ دروازے پر خالی کر دیا۔ درخت کا تنا زیادہ دیر اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

حشمت کا کولٹ خالی ہوتے ہی اسد کا پسٹل گرجنے لگا۔ حشمت نے موقع غنیمت جانا اور درخت کی اوٹ میں رہتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں عمارتی پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ یہ محفوظ جگہ تھی۔ حشمت نے اس کی اوٹ لے لی۔

اس دوران حویلی کے تین محافظ بھی دوڑتے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ ان پر بھی فائرنگ ہوئی۔ ایک محافظ براہ راست گولیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ راستے میں ہی ڈھیر ہو گیا۔ باقی دونوں نے اِدھر اُدھر اوٹ لے لی تھی۔

احاطے کے اندر سے ایک دفعہ پھر کسی پسٹل کے اوپر تلے دو فائر ہوئے اور ایک بلند نسوانی چیخ سنائی دی۔

کولٹ کو ری لوڈ کرتے ہوئے حشمت کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اس خونی کھیل کا تعلق غیر ملکی مہمانوں سے ہے۔

اسی وقت ایک بلند آواز اُبھری۔ ”خبردار! کسی نے احاطے میں گھسنے کی کوشش کی تو مارا جائے گا۔ بیگم ہمارے نشانے پر ہے۔ اسے بھی گولی مار دیں گے۔“

حشمت کو حالات کی سنگینی کا ادراک ہوا۔ ساتھ ہی اسے لگا کہ وارننگ دینے والی آواز اس نے پہلے بھی کہیں سنی ہے۔

یہی وقت تھا جب حویلی کے اندرونی حصے سے بھی فائرنگ کی آواز آئی۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔

نصف گھنٹے میں ساری صورتِ حال واضح ہو چکی تھی۔ نام نہاد مہمانوں کے مکروہ عزائم واضح ہو چکے تھے۔ انہوں نے بڑی عیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ آصف جاہ اور ہیرس نے احاطے میں گھس کر طورا کی بیوی اور ان کی ایک خادمہ کو یرغمال بنا لیا تھا۔ ان کے ساتھ ایک مقامی مددگار بھی تھا۔ احمد کو نہ جانے انہوں نے کس وجہ سے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ دو اور خادمائیں بھی ماری گئی تھیں جنہوں نے مزاحمت کی تھی۔

باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت لنڈا اور ہیلنا زنان خانے میں تھیں۔ آصف جاہ اور ہیرس کے حرکت میں آتے ہی انہوں نے سردار طورا کے دل و جان سے عزیز پوتے کو یرغمال بنا لیا تھا۔ وہاں بھی فائرنگ سے تین ہلاکتیں ہوئی تھیں۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ چاروں غیر ملکی اور ان کا ایک مقامی ساتھی اپنے تین یرغمالیوں کے ساتھ بندی خانے کی محفوظ، پتھریلی اور زمین دوز عمارت میں پناہ گزین تھے۔

حشمت، انسپکٹر جلابت خان، کئی اہلکار بشمول کیپٹن اسد مجرموں کی طرح باندھ کر سردار طورا کے روبرو پیش کیے گئے تھے۔

زرجان شاہ کے بازو کو گولی چھیدتی ہوئی گزری تھی۔ اسے مرہم پٹی کی ضرورت تھی مگر اس کے ساتھ بھی کسی قسم کی رعایت نہیں کی گئی۔ اسے بھی باندھا گیا تھا۔

سردار طورا کا سرخ چہرہ سرخ تر ہو رہا تھا۔ جہاں غیظ و غضب کے آثار تھے۔ وہیں گہرائی میں پریشانی اور فکرمندی بھی جھلک دکھا جاتی تھی۔ وہ زخمی شیر کے مانند ہال میں ٹہل رہا تھا۔ اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا تھا وہ لوگ کہہ چکے تھے۔ اب سردار طورا کے فیصلے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔

ہال میں حویلی کے محافظ بھی موجود تھے جو کینہ توز نظروں سے انہیں گھورے جا رہے تھے۔ سردار طورا کے غیظ و غضب میں کچھ کمی واقع ہوئی تو وہ اپنی اونچی نشست پر جا بیٹھا۔ ساتھ ہی اس نے حشمت وغیرہ کی بندشیں کھولنے کا حکم بھی صادر کر دیا۔

اب سردار کے چہرے پر الجھن کے تاثرات نے جگہ لے لی تھی۔ وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔ ”سمجھ نہیں آ رہا ان نمک حرام بدبختوں کو دو عورتوں اور ایک بچے کو یرغمال بنانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ کوئی مطالبہ بھی سامنے نہیں آیا۔“

سردار کے کہنے کی دیر تھی کہ حویلی کے محافظوں کا انچارج مطالبات کی فہرست لے کر آ گیا۔ سب سے پہلا مطالبہ تھا۔ حشمت، انسپکٹر جلابت خان اور اہلکار نزاکت علی کے ہاتھ پشت پر باندھ کر بندی خانے میں بھیج دیا جائے۔

دوسرا مطالبہ تھا ان کا سامان بشمول سیٹلائٹ فون بندی خانے میں پہنچا دیا جائے۔ تیسرا اور آخری مطالبہ تھا کہ ان کے زیر استعمال دو جیپیں بندی خانے کے دروازے پر ہوں۔ وہ کسی بھی وقت یہاں سے نکلیں گے اور یرغمالیوں کو قریب ترین سرحد پر چھوڑ دیں گے۔

مطالبات سردار طورا کے لیے حیران کن تھے۔ اغوا کاروں کے ارادے کی بالکل سمجھ نہیں آئی تھی کہ وہ کیا چاہتے تھے۔

سردار طورا کی جان اپنے پوتے میں تھی۔ اس نے فوراً ان مطالبات کی تعمیل کروادی۔

حشمت کے لیے نزاکت علی جو حقیقت میں کیپٹن اسد تھا، کی حوالگی کا مطالبہ حیران کن تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کی حقیقت نام نہاد مہمانوں سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔

ان تینوں کی مشکیں دوبارہ کس دی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بندی خانے کے فولادی دروازے پر تھے۔ دروازہ کھولنے والے کو دیکھ کر وہ حیران ہوئے۔ وہ ہاشو تھا جو کیمپ سے فرار ہو گیا تھا۔ ہاشو کے چہرے پر انہیں دیکھ کر غصے اور نفرت کا دریا بہہ نکلا تھا۔ فولادی دروازے سے پتھریلی سیڑھیاں نیچے جارہی تھیں۔ گیس کے ہنڈوں کے سبب اس زمین دوز جگہ پر اندھیرے کا نام ونشان نہیں تھا۔

فولادی دروازہ بند کرنے کے بعد ہاشو کے منہ کا ڈھکن کھل گیا اور گند ابل پڑا۔ اس نے کیپٹن اسد کو زور سے دھکا دیا تو وہ آخری تین سیڑھیوں سے نیچے پتھریلے فرش پر گرا۔ آخری وقت پر اس نے بمشکل چہرہ فرش سے ٹکرانے سے بچایا تھا۔

بندی خانے کے فرش پر لکڑی کا برادہ پھیلا ہوا تھا اور گھٹن زدہ ہوا میں دیودار لکڑی کی مہک رچی ہوئی تھی۔ غالباً اس جگہ کو لکڑی کی اشیا بنانے کے لیے ورکشاپ کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا یہاں سردار طورا کے عتاب زدہ قیدیوں سے بیگار میں لکڑی کا کام کروایا گیا ہو۔

پتھریلے کاریڈور میں آمنے سامنے تین حوالات نما کمرے تھے۔ ایک نسبتاً بڑے کمرے میں دیودار کی خام لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور نیم تاریکی تھی۔ ایک کمرے میں سردار طورا کی بیوی نے ڈرے ہوئے پوتے کو گود میں سمیٹ رکھا تھا اور مسلسل اسے دلاسے دے رہی تھیں۔ خوف یا پریشانی کی ایک پرچھائیں تک ان کے چہرے پر نہیں تھی۔

تیسرے کمرے میں جلی ہوئی جلد والی خادمہ خاص فرش پر پڑی سسک رہی تھی۔ اس کی حالت سے ظاہر ہوتا تھا اس پر بُری طرح تشدد کیا گیا ہے۔ اس کی خون آلود سفید چادر ایک طرف پڑی ہوئی تھی۔ بال بری طرح سے بکھرے تھے۔ اس کے چہرے کا بھی ایک حصہ جلا ہوا تھا۔ دبلی پتلی سی خاتون کی عمر کا اندازہ چالیس، پینتالیس سال

تھا۔ حشمت کو وہ نیم جلا چہرہ شناسا سا محسوس ہوا۔

کوریڈور میں وہ چاروں بدبخت ٹانگیں پھیلا کھڑے تھے۔ آصف جاہ اور ہیرس تو بالکل ہی درندوں کے مانند نظر آرہے تھے۔ ان کے کندھوں پر رائفلیں نظر آرہی تھیں جو انہوں نے نہ جانے کہاں سے حاصل کرلی تھیں۔ لنڈا اور ہیلنا کے ہاتھوں میں بھی پسٹل تھے۔ دونوں بالکل ہی مختلف نظر آرہی تھیں۔ ان کی حرکات وسکنات اور ہتھیار پکڑنے کا انداز بتاتا تھا کہ وہ مکمل طور سے تربیت یافتہ ہیں۔

ہاشو لنگڑاتا ہوا آگے بڑھا اور بھونکتے ہوئے کیپٹن اسد پر پل پڑا۔

ہیلنا نے مقامی زبان میں ہاشو کو منع کیا۔

حشمت اور اسد اس بات سے باخبر تھے کہ دونوں بہنیں مقامی زبان بول لیتی ہیں مگر ان کو بولتے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ دونوں ہی حیران سے نظر آئے۔

ہیلنا، ان کی حیرت سے لطف اندوز ہوئی۔ اس کے چہرے پر کھلنڈری سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس دوران جلابت خان کی قطعی بدلی ہوئی آواز ابھری۔ ''میرے ہاتھ تو کھول دو!'' اس دفعہ اسد اور حشمت حقیقی معنوں میں چونک گئے۔

ہاشو نے اس کی بندشیں کھول دیں۔ وہ کلائیاں مسلتا، حشمت اور اسد پر معنی خیز نظریں گھماتا لنڈا کی طرف بڑھا۔ لنڈا بے باکی سے اس کے گلے لگ گئی۔

حشمت اور اسد حیرت کے ابتدائی مگر شدید جھٹکے سے سنبھل گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں کے سامنے سے کچھ پردے بھی ہٹ گئے تھے۔

جلابت خان نے حسن اور ڈالرز کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے اور ان لوگوں کو کیپٹن اسد کے متعلق بھی بتادیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حشمت کے ساتھ ساتھ کیپٹن اسد کی حوالگی کا بھی مطالبہ کیا گیا تھا۔

ہاشو کے فرار میں بھی یقیناً جلابت خان کا ہاتھ تھا۔ ہاشو سے متعلق بے ضرر سی معلومات ان کے ساتھ شیئر کرکے جلابت خان ان کے ذہن میں بڑی عیاری سے یہ بات ڈال چکا تھا کہ وہ محض چوری، چکاری کے چکر میں ہے۔ بعد میں ہاشو نے بھی یہی کہانی سنادی تھی۔ حقیقت میں ہاشو ایک بہت خاص خبر لے کر لنڈا کے پاس آیا تھا۔

جلابت خان، لنڈا کو لپٹائے کھڑا تھا۔ لنڈا کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا تو پھر وہی ہاتھ لنڈا

کی شرٹ کے اندر رینگ گیا۔لنڈا نے قطعی تعرض نہیں کیا بلکہ اس کے انداز میں محبوبانہ خودسپردگی تھی۔

جلابت خان کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک پلاسٹک کور تھا جس میں کچھ تصویریں نظر آرہی تھیں۔جلابت خان نے وہ لفافہ بے پروائی سے ایک طرف پھینک دیا۔"اب ان کی کیا ضرورت ہے۔" لفافہ حشمت کے قریب ہی گرا تھا۔فوٹوگراف اس میں سے نکل کر اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔

حشمت کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ساری تصویریں بدنامِ زمانہ صحافی امیلڈا کی تھیں۔حشمت کا دماغ سنسنا اٹھا۔بندی خانے میں ابھی تک جلابت خان کے الفاظ کی گونج باقی تھی۔پزل کے سارے بے ترتیب ٹکڑے جیسے پل بھر میں اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک سے بیٹھ گئے تھے اور تصویر واضح ہوگئی تھی۔

لنڈا وغیرہ کو امیلڈا کی تلاش تھی۔جلابت خان انہیں پہلے بھی بتا چکا تھا کہ ایجنسی کا ایک بندہ قافلے میں شامل ہے۔اس لیے لنڈا احتیاط کے طور پر امیلڈا کی تصویریں ہر پل اپنے ساتھ رکھتی تھی۔

کیپٹن اسد نے ان کے سامان کی کئی دفعہ تلاشی لی تھی مگر جہاں تصویریں تھیں وہاں تک اس کی رسائی نہیں تھی ورنہ بہت پہلے ہی ان لوگوں کا مشن بے نقاب ہو جاتا۔حشمت کا دل گواہی دے رہا تھا کہ امیلڈا ان کے بالکل قریب موجود ہے۔اس کی نگاہ بے اختیار زخم زخم خادمہ خاص کی طرف اٹھ گئی۔امیلڈا اس کے سامنے تھی مگر یہ وہ امیلڈا نہیں تھی جو مکروہ عزائم کے ساتھ اس علاقے میں وارد ہوئی تھی۔

پُلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔سردار طورا کی پہلی بیوی کے ہاتھوں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔اس انقلاب نے امیلڈا کی زندگی ہی بدل دی تھی۔اس کا نام اب امینہ تھا اور وہ ایک پاک روح کی مالک تھی۔

کیپٹن اسد بھی اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔اس کی نگاہوں کا مرکز بھی امینہ تھی۔ساری حقیقت کھل چکی تھی۔انسپکٹر جلابت خان نے لنڈا کے ساتھ کامیابی کے جشن کی ریہرسل کر لی تو اس نے خود آکر کیپٹن اسد اور حشمت کی بندشیں چیک کیں اور ان کی جامہ تلاشی لے کر دونوں کو ہتھیاروں سے محروم کر دیا۔

ان دونوں کی خواہش پر سردار طورا نے یہ ہتھیار ان کے سپرد کر دیے تھے۔ظاہر ہے اس موقع پر جلابت خان بھی جلابت خان نے وہ ہتھیار اس نیم تاریک حوالات میں پھینک دیے جہاں خام لکڑی کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ان سے فارغ ہو کر جلابت خان، ہیرس سے مخاطب ہوا۔" امیلڈا نے زبان کھولی ہے؟"

ہیرس نے نفی میں سر ہلایا۔"ایک سیشن ہو چکا ہے۔کہتی ہے ہدایت پالینے کے بعد وہ مواد اس کے کسی کام کا نہیں تھا۔اس لیے ضائع کر دیا ہے۔"

جلابت خان کے چہرے پر سختی اُبھر آئی۔"ابھی سب اگلوا لیتا ہوں۔اس کی ہڈیوں کے گودے میں بھی وہ مواد چھپا ہے تو نکال لوں گا۔" اس کے لہجے میں درندوں کی سی سفاکی تھی۔وہ امینہ والی حوالات میں داخل ہو گیا۔

کیپٹن اسد، آصف جاہ سے مخاطب ہوا۔"تم لوگوں نے احمد کو کیوں قتل کر دیا۔وہ تو یار تھا تمہارا؟"

آصف جاہ کے پتلے پتلے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ ابھری۔"وہ غیرضروری ہو گیا تھا اور ہم لوگ غیر ضروری چیزوں سے فوراً چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔" پھر اس کا انداز تبدیل ہوا۔"ویسے تو تم دونوں بھی ہمارے لیے غیر ضروری ہو مگر سرحد پار ہمارے میزبانوں کے لیے تم دونوں بے حد خاص ہو۔وہ تمہیں، اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں۔ہو سکتا ہے پھر تم ان لوگوں کے لیے بھی غیر ضروری ہو جاؤ اس لیے من میں کچھ اور سوالات اچھل کود کر رہے ہوں تو پوچھ سکتے ہو۔"

حشمت نے کن انکھیوں سے جلابت خان کی طرف دیکھا۔وہ، امینہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اپنے عزائم کے برعکس میٹھی چھری بنا ہوا تھا۔

کیپٹن اسد بولا۔"سارا کچھ تو واضح ہو گیا ہے۔تم لوگوں کو امیلڈا کی تلاش تھی۔اس مقصد کے لیے تم لوگوں نے خانہ بدوشوں کو ایجنٹ بھرتی کرنے کے لیے منتخب کیا کیونکہ خانہ بدوش نگر نگر گھومتے ہیں اور ہر طرح کے لوگوں سے ان کا واسطہ پڑتا ہے۔تمہارا یہ قیاس بالکل درست ثابت ہوا اور غالباً ہاشو کے ذریعے ہی تمہیں کامیابی ملی ہے۔"

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ ہاشو کی بیوی ایک تیز نظر عورت ہے۔فوٹوگراف اس کے ذہن میں نقش ہو گئے تھے۔وہ عورت حویلی میں دم کروانے آئی تو امیلڈا اس کی نظروں میں آگئی۔اس نے فوراً شوہر کو بھاری انعام کے لالچ میں ہماری طرف دوڑایا۔بدقسمتی سے جلابت خان تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ تمہارے ہتھے چڑھ گیا۔"

اچانک ہی بندی خانے کی فضا زوردار تھپڑ کی آواز سے گونج اٹھی۔ جلابت خان کی میٹھی پالیسی ناکام ثابت ہوئی تو وہ اصلیت پر اُتر آیا۔ امینہ کی چیخیں پورے بندی خانے میں گونجنے لگیں۔

جلابت خان بُری طرح سے گرج رہا تھا۔ ''بتا کتیا...... وہ مواد کہاں چھپایا ہے؟ ورنہ دیکھ لینا پاؤں کی طرف سے کاٹنا شروع کیا تو زبان تیری کھل ہی جائے گی۔ اس سے پہلے ہی بتا دے۔'' اس نے بالوں سے پکڑ کر امینہ کے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی۔

بیگم صاحبہ کو ان چیخوں نے تڑپا یا۔ ''پوتے کو چھوڑ کر انہوں نے حوالات کی سلاخیں تھام لیں۔'' تم لوگ خدا کے قہر کو دعوت دے رہے ہو۔ یہ اب وہ نہیں رہی جس کی تمہیں تلاش ہے۔ اس نے خود کو اندر سے پاک کر لیا ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ سسک سسک کر رونے لگیں۔

حشمت اور اسد کو بھی امیلڈا کی زندگی میں تبدیلی کا اندازہ ہو گیا تھا۔ خاتون کے الفاظ اس اندازے کو درست ثابت کر رہے تھے۔ ان کی ہمدردیاں امیلڈا کے ساتھ تھیں مگر سچویشن ایسی تھی کہ فی الحال وہ کچھ کر گزرنے سے قاصر تھے۔

بندی خانہ ہر طرف سے بند تھا۔ بیرونی مدد کی امید نہ ہونے کے برابر تھی۔ مایوسی کے بادل انہیں گھیرنے لگے۔ حالات کو مکمل طور سے کنٹرول کر لینے کے بعد اب ہیرس اور آصف جاہ نے رائفلیں کندھوں سے لٹکا لی تھیں۔ ہاشو کی رائفل کا رخ البتہ ان دونوں کی طرف تھا اور جلتی ہوئی آنکھیں کیپٹن اسد پر مرکوز تھیں۔

لنڈا اور ہیلنا نے بھی اپنے پسٹل کمر میں اڑسے اور جلابت خان کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ ان کے انداز میں بڑی وحشت تھی۔ اپنے مقصد میں ابھی تک انہیں ادھوری کامیابی ہی ملی تھی۔ یہ بات انہیں جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔

شدید تشدد کے سبب امینہ کا لباس تار تار ہو گیا تھا۔ زیریں لباس نظر آنے لگا تھا۔ ایک بڑا سا چرمی تعویذ بھی اس کے گلے میں تھا، وہ بھی نمایاں ہو گیا تھا۔

بیگم صاحبہ کا چیخ چیخ کر گلا بیٹھ گیا۔ حشمت کا لہو گرم ہو گیا تھا۔ قوتِ برداشت جواب دے گئی تو وہ چیخ اٹھا۔ ''ایک عورت پر ظلم ڈھاتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔ جو خود کو حقیقی مرد سمجھتا ہو میرے سامنے آ جائے۔ بے شک میرے ہاتھ بھی نہ کھولو۔'' اس نے للکارتے ہوئے کھلا چیلنج دیا۔

بات مردانگی پر آئی تو جلابت خان دہاڑتا ہوا حوالات سے نکلا۔

یہی وقت تھا جب فضا گولی کی آواز سے گونج اٹھی۔ ہاشو مردہ چھپکلی کے مانند پٹ سے نیچے گرا۔ اس کی کھوپڑی کا ایک حصہ اڑ گیا تھا۔

لگتا تھا بی بی نے ان ظالموں کو جس خدائی عذاب سے ڈرانے کی کوشش کی تھی، وہ نازل ہو چکا تھا۔ حشمت اور اسد کے وجود میں جیسے بجلی دوڑ گئی تھی۔

اسد ہوا میں اچھلا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ہوا میں پھیلیں اور کندھوں سے رائفلیں اتارنے کی کوشش کرتے ہیرس اور آصف جاہ اچھل کر بندی خانے کی پتھریلی دیوار سے جا ٹکرائے تھے۔

حشمت بھی گولے کے مانند دوڑا تھا۔ اس کے کندھے کی ضرب کھا کر جلابت خان فرش پر گرا تھا۔ اسی دوران یکے بعد دیگرے دو اور گولیاں چلی تھیں۔ ہیلنا اور لنڈا چیختی ہوئی کندھے تھامے فرش پر گری تھیں۔ حشمت نے نگاہ اٹھائی جس حوالات میں لکڑیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکی حویلی کی خادماؤں کے مخصوص لباس میں اپنے دونوں ہاتھوں میں حشمت کا کولٹ تھامے کھڑی تھی۔ کولٹ کی نال سے ابھی تک دھواں نکل رہا تھا۔

لڑکی کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ انہی پہاڑوں کی بیٹی ہے۔ البتہ کیپٹن اسد کی آنکھیں کیپٹن فریحہ کو پہچان کر چمک اٹھی تھیں۔

جلابت خان فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حشمت فضا میں اچھلا اور نیچے آتے ہوئے اس کے دونوں گھٹنے خمیدہ ہوئے اور بندی خانے کی فضا جلابت خان کی تکلیف میں ڈوبی چیخ سے گونج اٹھی۔ اس کی ایک، دو پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں اور وہ ٹھنڈے فرش پر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ حشمت کو اس غدار سے بے پناہ نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

دوسری طرف اسد کی ٹانگیں برق کی طرح لہرا رہی تھیں۔ اس نے ہیرس اور آصف جاہ کا بھرتا بنا کر رکھ دیا تھا۔

کیپٹن فریحہ کے سبب حالات محض پل بھر میں مکمل طور سے ان کے کنٹرول میں تھے۔

کیپٹن فریحہ نے بتایا کہ جب وہ لوگ بندی خانہ دیکھنے کے لیے آئے تھے تو ان کی باتیں سننے کی غرض سے وہ لکڑیوں کے اندر چھپ گئی تھی اور ان کی باتیں سننے میں

کامیاب رہی تھی۔
ان کے ساتھ جو خادم بندی خانے میں آیا تھا وہ انگریزی سے مکمل طور سے نابلد تھا۔ اس لیے ہیرس اور آصف جاہ کھل کر باتیں کر رہے تھے۔
فریحہ کو ان کے عزائم کا پتا چلا تو اس نے وہیں دبکے رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جان لیا تھا کہ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ باہر نکل کر کسی کو ان کے عزائم سے آگاہ کرے۔ وہ کوشش کرتی تو زیادہ سے زیادہ بی بی اور امینہ کو یرغمال بنانے سے انہیں روک سکتی مگر وہ لوگ بڑا عیارانہ منصوبہ بنا کر اس پر عمل کر چکے تھے۔
لنڈا اور ہیلینا زنان خانے میں سردار طورا کی پہلی بیوی کے بالکل پاس ہی تھیں اور لمحوں میں اسے یرغمال بنا سکتی تھیں۔ یہ ان کے منصوبے کا دوسرا حصہ تھا۔ اگر ہیرس اور آصف جاہ ناکام رہتے تو وہ دونوں بہنیں سردار طورا کے پوتے کو یرغمال بنا کر امینہ المعروف امیلڈا کی حوالگی کا مطالبہ کر دیتیں۔
دو دن بعد آرمی کا ایک ہیلی کاپٹر مجرموں کو لے کر روانہ ہو چکا تھا۔ سردار طورا سے مجرموں کی جان بچانے میں حشمت زازی اور کیپٹن اسد نے کتنے پاپڑ بیلے تھے یہ وہی جانتے تھے۔
رخصت ہونے سے پہلے بیگم صاحبہ اور امینہ نے انہیں الوداعی ملاقات کے لیے بلایا تھا۔ بطور خاص کیپٹن فریحہ کو۔ بیگم صاحبہ اور امینہ دونوں تخت پر براجمان تھیں۔ حشمت اور اسد، امینہ کی زندگی میں آنے والی خوشگوار تبدیلی سے آگاہ ہو چکے تھے۔
بیگم صاحبہ کی انگلیاں تسبیح کے دانوں پر دھیرے دھیرے رواں تھیں۔ امینہ کے زخم زخم چہرے پر بھی بڑا تقدس نظر آ رہا تھا۔ اس نے گفتگو کا آغاز کیا۔
''میں کچھ لوگوں کی گرفت سے نکل کر بھاگی تو بری طرح سے زخمی تھی۔ اس وقت مجھے پناہ دینے والی بیگم صاحبہ تھیں۔ انہوں نے نہ صرف مجھے ہر نظر سے چھپایا بلکہ اپنے مقدس ہاتھوں سے میرے جلے ہوئے زخم بھی دھوئے۔''
اس کے لہجے میں ان کے لیے عقیدت ہی عقیدت تھی۔
''یہ ان کی نگاہِ کرم تھی جس نے مجھے ''سچ'' کا راستہ دکھایا اور میری تاریک زندگی میں روشنی ہو گئی۔ انہی کی برکت سے میں نے حق کو پہچانا۔''
بیگم نے دھیمی آواز میں کچھ کہا تو امینہ چپ ہو گئی۔ پھر اس نے بڑی سعادت مندی سے سر کو اثباتی جنبش دی اور اصل موضوع کی طرف آئی۔
''تم لوگوں کو بھی یقیناً اس زہریلے مواد کا خیال رہا ہو گا جو میں نے تخلیق کیا تھا؟''
کیپٹن اسد نے حشمت اور کیپٹن فریحہ کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے مگر خدا کی عطا کردہ روشنی پانے کے بعد آپ نے ضرور اسے ضائع کر دیا ہے کیونکہ وہ کہیں بھی منظر عام پر نہیں آیا۔''
امینہ کے چہرے پر نورانی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تو ان لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بڑھ گئی۔
امینہ بولی۔ ''میں اسے ضائع کر دیتی مگر اس میں کچھ ایسے لوگوں کی نشاندہی بھی ہے جن کی مدد سے میں نے وہ سب تخلیق کیا تھا۔ یقیناً تم ان سانپوں کا سر کچلنا چاہو گے۔''
کیپٹن اسد اور فریحہ کے ساتھ ساتھ حشمت کا چہرہ بھی چمک اٹھا تھا۔
امینہ نے مزید کہا۔ ''میں نے چاہا بھی کہ یہ مواد سردار صاحب کی وساطت سے اس ملک کے رکھوالوں تک پہنچا دیا جائے مگر بیگم صاحبہ نے منع کر دیا۔'' اس نے بے حد عقیدت سے ان پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''بے شک بیگم صاحبہ جو دیکھتی ہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ آج اپنے ہاتھ سے یہ امانت اس ملک کے رکھوالوں کے سپرد کرتے ہوئے میں بے حد مطمئن ہوں۔ آج لگ رہا ہے گناہ کا یہ آخری بوجھ بھی اتر گیا ہے۔'' اس نے گلے میں سے بڑا سا چرمی تعویذ اتار کر فریحہ کی طرف بڑھایا۔ جسے اس نے بڑی مضبوطی سے تھام لیا۔
امینہ بولی۔ ''اس میں کچھ میموری کارڈز ہیں۔ امید ہے میری مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پھر بھی کوئی ضرورت پڑ جائے تو میں حاضر ہوں۔''
فریحہ نے تعویذ کو چومتے ہوئے کہا۔ ''یہ آپ کا اس ملک و قوم پر بہت بڑا احسان ہے۔''
امینہ نے سختی سے نفی کے انداز میں کہا۔ ''بالکل بھی نہیں۔ یہ صرف میرے گناہ کا کفارہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔''
کچھ دیر بعد وہ تینوں امینہ اور سردار طورا کی بیوی کی دعائیں لے کر نکل رہے تھے۔ وہ تھکے ہوئے تھے مگر پُرعزم تھے۔ مزید سانپوں کا سر کچلنا ابھی باقی تھا اور یہی ان مارخوروں کی ذمّے داری تھی۔ جسے وہ دل و جان سے نبھانے نکلے تھے۔